ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

شرکت و مضاربت کے شرعی اصول

اسلامک پبلی کیشنز

شرکت و مضاربت کے شرعی اصول

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی
شعبۂ معاشیات۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

زیر اہتمام
ادارہ معارف اسلامی، کراچی

اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ
۱۳-ای شاہ عالم مارکٹ - لاہور (مغربی پاکستان)

طابع: ———— رانا اللہ داد خاں، مینجنگ ڈائرکٹر

ناشر: ———— اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۳۔ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور

مطبع: ———— میٹرو پرنٹرز، لاہور

اشاعت:

۱ تا ۵	جولائی ۱۹۹۲ء تک	۶۴۰۰
۶	جولائی ۱۹۹۷ء	۱۱۰۰

قیمت ۳۰/۰۰ روپے

فہرست مضامین

پیش لفظ

یہ مقالہ ماہنامہ "زندگی" رام پور کے اگست ۱۹۶۶ء تا جنوری ۱۹۶۷ء کے شماروں میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے اور معمولی ترمیم کے ساتھ کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس دوران میں میں نے کوشش کی ہے کہ فقہا و ماہرین قانون اور علماء معاشیات سے استفادہ کروں۔ میں ان تمام حضرات کا شکر گذار ہوں جنہوں نے مطبوعہ اقساط کے مطالعہ کے بعد مجھے اپنی قیمتی رایوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ محمد فضل الرحمٰن صاحب شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے اس موضوع پر تبادلۂ خیال اور بحث و مذاکرہ میں گہری دلچسپی لے کر اس کام میں مدد کی ہے۔ اس کے باوجود اہل علم کو اس کتاب میں جو نقائص نظر آئیں ان کی ذمہ داری تنہا مجھ پر ہے۔ میری درخواست ہے کہ ایسی باتوں کی نشاندہی فرما کر مجھے اصلاح و ترمیم کا موقع دیا جاوے۔

محمد نجات اللہ صدیقی

شعبۂ معاشیات
مسلم یونیورسٹی - علی گڈھ
۱۵ر جولائی ۱۹۶۸ء

تقدیم

برادر محترم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے شرکت و مضاربت کے مسئلہ پر نہایت فکر انگیز سلسلہ مضامین تحریر فرمایا۔ ہمیں خوشی ہے کہ انہوں نے ادارہ کی دعوت پر اسے کتابی شکل میں مرتب کر دیا ہے، اور اب اسلامک پبلیکیشنز کے توسط سے ہم اسے پاکستان میں شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ کتاب معاشی مسائل پر اسلامی نقطہ نظر سے غور کرنے والوں کے لیے ایک سنگ میل ثابت ہوگی، اور اس میں معاشی تنظیم کی جو راہ دکھائی گئی ہے وہ اسکے جملہ پہلوؤں پر غور کرینگے اور اسلام کی جملہ تعلیمات کی روشنی میں اپنی نجی اور سرکاری تنظیمات کی از سر نو تشکیل کی کوشش کریں گے۔

اس کتابچہ کے بعد ادارہ بہت جلد ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کا ایک دوسرا طویل مقالہ "بلا سود بنکاری" پیش کرنے کا شرف حاصل کرے گا۔

خورشید احمد

کراچی

۳ جولائی ۱۹۶۸ء

پہلا باب

پس منظر

دورِ جدید میں اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھنے والے اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام میں سود کی حرمت کے پیشِ نظر بنک کاری کے نظام کی نئی تنظیم شرکت اور مضاربت کی بنیادوں پر کرنی ہوگی۔ جدید معیشت میں بنک جو اہم مقام رکھتے ہیں، وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ بڑے پیمانے پر سرمایہ کو بچت کرنے والوں سے جمع کر کے کاروبار کرنے والوں کو فراہم کرنا، امانتیں رکھنا، اہلِ ضرورت کو قرضے دینا، نیز عام افراد اور کاروباری طبقے کی بہت سی خدمات معمولی معاوضہ پر انجام دینا، بنکوں کے عام وظائف ہیں۔ اس کے علاوہ بنکوں کے ذریعے زر کی تخلیق اور کریڈٹ کی فراہمی کا اہم معاشی کام بھی انجام پاتا ہے۔ کسی معیشت میں زر کی مجموعی رسد کے گھٹنے یا بڑھنے میں بنکوں کے طرزِ عمل کو بڑا دخل حاصل ہے اور اس کا اثر اشیاء کے نرخ، صنعت و تجارت، اور عام معاشی سرگرمیوں نیز روزگار اور آمدنیوں کی سطح پر بھی پڑتا ہے۔ اس اہمیت کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ تفصیل کے ساتھ یہ واضح کیا جائے کہ شرکت اور مضاربت کی بنیادوں پر نظامِ بنک کاری کو اس طرح منظم کیا جا سکتا ہے کہ وہ مذکورہ بالا وظائف کو بسہولت انجام دے سکے اور اس کا مجموعی عمل ان خرابیوں سے پاک ہو جو سودی نظامِ بنک کاری سے وابستہ ہو گئی ہیں۔ لیکن ایسا کرنے سے پہلے ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ شرکت اور مضاربت کے شرعی احکام بیان کر دیئے جائیں۔ یہ کتاب اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے لکھی گئی ہے۔

اس کتاب میں شرکت اور مضاربت کے تمام فقہی احکام کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان امور پر بحث کی گئی ہے جن کا بنکوں کی تنظیم نو سے گہرا تعلق ہے۔ دورِ جدید میں شرکت یا مضاربت کے اصول پر قائم ہونے والے کاروباری اداروں سے متعلق تفصیلی قوانین و ضوابط بھی نہیں تجویز کیے گئے ہیں، بلکہ صرف اصول واضح کیے گئے ہیں۔ یہ کام ماہرینِ قانون کا ہے کہ وہ دورِ جدید کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان اصولوں کی روشنی میں ایسے ضابطے بنائیں کہ ان کے مطابق چلائے جانے والے کاروباری ادارے بسہولت کام کر سکیں، باہمی نزاع کا امکان کم ہو اور نزاع کی صورت میں فیصلہ کے لیے واضح اور متعین بنیادیں موجود ہوں۔ مشترکہ کاروبار میں اگر کوئی فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کرتا ہوا اپنے حدود سے تجاوز کرے یا دھوکہ فریب، خیانت اور غبن کے ذریعہ دوسرے فریق کے مفادات کو مجروح کرے تو اس کی اس حیثیت پر کیا اثر پڑے گا جو معاہدہ کے مطابق اسے حاصل تھی؟ اس سوال پر بھی اس کتاب میں بحث نہیں کی گئی ہے۔ فقہاء اسلام نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ جس کے مطالعہ کے لیے ان فقہی مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ جن کے حوالے اس کتاب میں دیے گئے ہیں۔

ہم نے شرکت کی صرف ایک قسم 'شرکت عنان' پر روشنی ڈالی ہے، 'شرکت وجوہ' سے تعرض نہیں کیا ہے۔ دورِ جدید میں تجارت خارجہ اور بین الاقوامی مالی تعلقات کے ضمن میں شرکت وجوہ کا موضوع غور و مطالعہ کے لائق ہے، مگر اس کی اختلافی

نوعیت اور شرکت عنان اور مضاربت سے جوہری طور پر مختلف ہونے کی وجہ سے اس کا علیحدہ مطالعہ زیادہ موزوں ہوگا۔

اس کتاب کو اور اسکے بعد غیر سودی نظام بنک کاری کا جو خاکہ پیش کیا جائیگا، اہل علم کے غور وفکر کے لیے پیش کیا جارہا ہے تاکہ ان کے بحث ومشورے سے مسئلے کا کوئی قابل اطمینان حل نکل سکے۔ ہمیں امید ہے کہ ہر قاری اصل مسئلے پر سوچنے اور اجتماعی غور وفکر کے ذریعے غیر سودی نظام بنک کاری کا ایک قابل اطمینان نقشہ طے کرنے کی اس کوشش میں حصہ لے گا، جس کی تحریک اس کتاب کے ذریعے کی جارہی ہے۔

شرکت اور مضاربت کے شرعی اصولوں کی وضاحت میں ہم نے اسلامی فقہ کے چاروں مشہور مکاتب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کی مستند کتابوں کو سامنے رکھا ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ نظام بنک کاری کی تنظیم نو کے لیے شرکت اور مضاربت کے سلسلے میں ایسی رایوں کو بنیاد بنائیں، جو ان مکاتب فقہ کے درمیان متفق علیہ ہوں، یا جن پر زیادہ سے زیادہ اتفاق رائے میسر آسکے۔ البتہ جن امور کے سلسلے میں خود قرآن وسنت نے کوئی متعین ضابطہ نہیں دیا ہے؛ ان میں زمانے کی تبدیلی اور نت نئی ضروریات پیدا ہونے کی وجہ سے بسا اوقات دوسری یا تیسری صدی ہجری کے مرتب کردہ فقہی احکامات کو من وعن قبول کرنے کی بجائے ان میں مناسب ترمیم وتبدیلی منشار شریعت کے زیادہ مطابق ہوسکتی ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر چند مسائل میں ہم نے ایسی رائیں بھی اختیار کی ہیں جو ان فقہا نے نہیں اختیار کی تھیں۔ ایسے مواقع پر جو بہت ہی کم ہیں، ان شرعی اصولوں اور شرعاً معتبر

مصالح کا حوالہ دیا گیا ہے، جو ان نئی رائے کی بنیاد بنے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اہلِ علم ان رایوں پر تنقیدی نگاہ ڈالیں گے، اور ان کے بارے میں مشورہ دیکر منشاءِ شریعت کی تلاش میں ہماری مدد کریں گے۔

شرکت اور مضاربت کا جواز

جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انسانوں کے درمیان تجارت و زراعت اور صنعت و حرفت کے مختلف طریقے رائج تھے۔ نبیؐ کے لیے نہ اس کی ضرورت تھی، نہ اس کا یہ منصب تھا، کہ انسانوں کو دنیوی کاروبار کے طریقے از سرِ نو سکھلائے۔ بلکہ اسے ان طریقوں میں جہاں جو بات اخلاقی معیاروں سے گری ہوئی یا عدل و انصاف کے شرعی اصولوں سے منحرف نظر آئی۔ وہاں اس نے ان میں مناسب اصلاح و ترمیم کر دی۔ ربا اور قمار کی حرمت، جبر، اکراہ اور دھوکہ فریب سے ممانعت اور کاروباری معاہدوں میں فریقین کی رضامندی کی شرط خود قرآن میں موجود ہے۔ ضرر کی مختلف صورتوں کی روک تھام، معاہدے میں ایسے عدمِ تعین اور لاعلمی (جہل) کو جو جھگڑے کی بنیاد بن سکتی ہو، ممنوع قرار دینا۔ ایسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت جس کا فروخت کنندہ مالک نہ ہو، اور کسی معاہدے کو ایسی شرائط کا پابند کرنے سے روکنا جن سے کسی فریق کے حق میں اس معاہدے کا فائدہ ختم ہو جاتا ہو، احادیث سے ثابت ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کاروبار کی جن شکلوں سے منع کر دیا، یا ان شکلوں میں جو ترمیمیں لازمی قرار دیں، ان کے تجزیے سے فقہا نے ان مصالح کا پتہ لگایا، جن کا تحفظ شریعت کی نگاہ میں ضروری ہے اور ان مفاسد کو متعین کیا، جن کا سدِّباب شریعت کو مطلوب ہے۔ انہوں نے دوسرے تمام معاملات

میں بھی ان مصالح کا لحاظ اور انہیں ان مفاسد سے پاک رکھنا ضروری قرار دیا۔ کاروبار کے جو طریقے ان مصالح سے ہم آہنگ اور ان مفاسد سے پاک نظر آتے ان کو انہوں نے جائز قرار دیا۔ اگر کاروبار کے کسی طریقے کو خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا یا وہ طریقہ آپ کے زمانے میں رائج تھا مگر آپؐ نے نہ اس سے روکا نہ اس میں کوئی ترمیم کی، یا کسی مروجہ طریقے پر اگر آپؐ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا، تو یہاں طریقوں کے جواز یا پسندیدگی کی سند قرار پایا۔ کاروباری امور کے بارے میں فقہ اسلامی کی تفصیلات اسی طور پر مرتب کی گئی ہیں۔

کاروباری معاملات کی یہ نوعیت عبادات سے بالکل مختلف ہے۔ جن کے طور طریقے ہدایت الٰہی کے تحت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو از سرِ نو سکھلائے۔ یہ طریقے اپنی اسلامی تفصیلات کے ساتھ پہلے سے رائج نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اکثر تفصیلات اللہ کی کتاب میں درج ہیں یا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور عملی نمونے کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ نوعیت کے اس فرق کا ایک عملی نتیجہ یہ ہے، کہ عبادات سے متعلق جس قدر تفصیلی احکام ملتے ہیں فقہ اسلامی کے اولین مآخذ میں معاملات سے متعلق اتنے تفصیلی احکام نہیں ملتے۔ مزید برآں عبادات کا تعلق ایسے انسانی اعمال سے ہے جن پر زمانہ اور حالات کی تبدیلی کا زیادہ اثر نہیں پڑتا۔ مگر کاروبار کے طور طریقوں کا تمدنی ترقی اور آلات و وسائل کے بدلنے کے ساتھ تبدیل ہونا ناگزیر ہے۔ کاروباری معاملات اور ان کے بارے میں شرعی احکام کے اس پس منظر کو ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھنا چاہیئے۔

شرکت اور مضاربت کاروباری معاہدوں کی وہ شکلیں ہیں، جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم

کی بعثت کے وقت رائج تھیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی ہدایت فرمائی، ان کو مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی، حدودِ الٰہی سے آگاہ کیا، اور ایک ایسی سوسائٹی برپا کی جس میں عدل و قسط قائم کیا گیا، آپؐ نے ایک ایسی سٹیٹ کا پورا نظم عرصہ تک چلایا جس میں انسانی زندگی کے اجتماعی شعبوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق منظم کیا گیا۔ اس پورے عرصے میں شرکت اور مضاربت کے طریقے رائج رہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے آپؐ کے تربیت یافتہ رفقاء نے یہ طریقے اختیار بھی کیے۔ آپؐ نے ان طریقوں سے روکا نہیں بلکہ ان پر اظہارِ پسندیدگی فرمایا ان میں سے بعض طریقے آپؐ نے خود بھی اختیار کیے تھے۔ یہی بات ان طریقوں کے جواز کی سب سے بڑی دلیل ہے[۱]۔ ذیل میں اس اجمال کی تفصیل کے لیے چند احادیث و آثار پیش کیے جا رہے ہیں:۔

سائب بن شریک کے ساتھ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکے میں تجارت میں شرکت کی تھی۔ مدینے میں ان سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے اس کا ذکر فرمایا، اور اس شرکت کو پسندیدگی کے ساتھ یاد فرمایا[۲]۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک دو شرکا میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے میں ان دونوں کا تیسرا

---

[۱] شمس الدین السرخسی :۔ المبسوط، جلد ۱۱ ص ۱۵۱ اور جلد ۲۲ ص ۱۹ مطبع سعادہ، مصر، طبع اول

[۲] ایضاً ۔ جلد ۱۱ ص ۱۵۱

ساتھی بن جاتا ہوں۔[۱]

روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں بازاری کاروبار کرتا ہوں اور میرا ایک شریک مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تیرے کاروبار کی برکت اسی کے سبب ہے۔[۲]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی وہ مثل قیدی کے ہے۔ لہذا اے اللہ کے بندو، اس کے ساتھ مضاربت کرو، اسے قرض دو۔[۳]

حضرت عباس بن عبدالمطلب چند مخصوص شرائط کے ساتھ مضاربت کرتے تھے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے اظہار پسندیدگی فرمایا۔[۴]

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ انہی شرائط کے ساتھ مضاربت کرتے تھے۔[۵]

ابونعیم راوی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے حضرت خدیجہ رض

---

[۱] ابوداؤد: سنن، کتاب البیوع، باب الشرکہ۔ اس حدیث کو حاکم اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ بحوالہ محمد المدنی۔ کتاب الاتحافات السنیہ فی الاحادیث القدسیہ۔ حیدرآباد ۱۳۲۳ھ

[۲] سرخسی: المبسوط جلد ۲۲ ص ۱۸

[۳] ایضاً ص ۱۱

[۴] ״ ص ۱۸

[۵] ״ ص ۱۹

کے مال کو مضاربت کے طور پر حاصل کر کے شام میں تجارت کی [۱]

ابن ماجہ کی روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ مضاربت میں برکت ہے [۲]۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مضاربت کا طریقہ اختیار کیا تھا [۳]۔ اور قاسم بن محمد روایت کرتے ہیں کہ ہمارا کچھ سرمایہ حضرت عائشہؓ کے پاس جمع تھا۔ جسے وہ مضاربت کے طور پر کاروبار کے لیے دیا کرتی تھیں [۴]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی زید بن خلیدہ کے ساتھ مضاربت کی تھی [۵] اور آپ نے بیت المال کی جانب سے بھی مضاربت کا طریقہ اختیار کیا تھا [۶]۔ نیز آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ یتیموں کا مال مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لیے دیتے تھے تاکہ اس میں اضافہ ہو [۷]۔

ان احادیث و آثار سے شرکت اور مضاربت کا جواز تو واضح ہو گیا لیکن ان معاہدوں سے متعلق تفصیلی احکامات نہیں سامنے آتے۔ یہ تفصیلات فقہا

---

[۱] سرخسی: المبسوط جلد ۲۲ ص۱۸

[۲] ایضاً ص۱۹

[۳] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی ص۲۳ طبع دار النشر للجامعات المصریہ۔ قاہرہ ۱۹۶۲ء

[۴] ایضاً

[۵] سرخسی: المبسوط جلد ۲۲ ص۱۸

[۶] ایضاً ص۱۸

[۷] ایضاً ص۱۸

اسلام نے مرتب کی ہیں۔ یہ کام انہوں نے ابتدائی دور میں اسلامی سوسائٹی میں شرکت اور مضاربت کے مروجہ طریقوں کو سامنے رکھ کر ان اصولوں کے مطابق کیا ہے جو کاروباری معاملات کے سلسلے میں قرآن و سنت سے مستنبط کئے گئے ہیں جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔

شرکت اور مضاربت کے جواز کی دلیل کے طور پر ہمارے فقہا نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ اہم انسانی مصالح کے تحفظ کے لیے ان طریقوں کا جواز ضروری ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے پاس سرمایہ ہو مگر وہ کاروبار نہ کر سکتا ہو۔ اسی طرح بہت سے افراد ایسے ہوتے ہیں جو کاروبار کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا۔ مضاربت کے ذریعے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ دونوں افراد باہمی تعاون سے ایک مشترکہ مقصد حاصل کر سکیں[۱]۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو اصحاب سرمایہ الگ الگ کاروبار کرنے کی بجائے مل کر کام کرنے کو نفع کمانے کا زیادہ مؤثر طریقہ سمجھتے ہوں۔ شرکت ان کے درمیان تعاون ممکن بنا دیتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک صاحب سرمایہ نہ صرف یہ کہ خود کاروبار نہ کر سکتا ہو بلکہ اچھے کاروباری فریق کے انتخاب کے لیے بھی کسی دوسرے فریق کو زیادہ موزوں خیال کرتا ہو۔ یہ دوسرا فریق اپنے علم و تجربے اور کاروباری امور میں مہارت کے سبب کسی کاروباری فریق سے مضاربت کا معاہدہ کرنے کیلئے زیادہ موزوں ہو۔ ایسی صورت میں اگر صاحب سرمایہ اس فریق کو مضاربت کے اصول پر سرمایہ دے اور یہ فریق اس سرمایے کو کسی کاروباری فریق کو مضاربت کے

---

[۱] السرخسی: المبسوط جلد ۲۲ ص ۱۹

کے طور پر دے تو ان تینوں افراد کے درمیان تعاون کی راہ کھل جاتی ہے۔ مضاربت در مضاربت کی یہ صورت سب کے لیے مفید ہے، اور اس میں کوئی خلاف شرع بات نہیں پائی جاتی۔ اس صورت کے جواز پر فقہی سند آئندہ پیش کی جائیگی۔ یہاں اس کا ذکر صرف مذکورہ بالا دلیل کی مناسبت سے کیا گیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ یہ غیر سودی نظام بنک کاری کے اس خاکے میں کلیدی اہمیت کی حامل ہے جو ہم آئندہ تجویز کرینگے۔

شرکت اور مضاربت کی تعریف

اسلامی قانون کے چار مشہور سکولوں میں سے مالکی اور حنبلی اسکول کے نزدیک مضاربت بھی شرکت ہی کی ایک شکل ہے۔ حنفی فقہا بھی مضاربت کی بعض ایسی صورتوں کو جائز سمجھتے ہیں جو عملاً شرکت سے جا ملتی ہیں۔ چونکہ ہمارے اصل موضوع کے لیے شرکت اور مضاربت کے علیحدہ تجزیے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے ذیل میں دونوں کا مطالعہ ساتھ ہی کیا جائے گا، اور جہاں ضرورت ہوگی، دونوں کا فرق واضح کر دیا جائے گا۔ اس مطالعے کی ابتدا کے طور پر شرکت اور مضاربت کی مندرجہ ذیل تعریفوں کو سامنے رکھنا مفید ہوگا۔ اس تعریف میں اور اس پورے مقالے میں شرکت کا لفظ اس معنے میں استعمال کیا گیا ہے جسے حنفی فقہا شرکت عنان[1] سے تعبیر کرتے ہیں۔ حنبلی اور شافعی فقہا بھی اس اصطلاح سے یہی معنی مراد لیتے ہیں۔ البتہ مالکی فقہا اس معنی کی تعبیر شرکت مفاوضہ کی اصطلاح سے کرتے ہیں۔ اس مقالے میں شرکت سے وہ معاہدہ مراد ہے جسے حنفی فقہا

[1] فقہی تعریف اور وجہ تسمیہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ ص ۵۸۔ مطبعہ جمالیہ مصر ۱۹۱۰ء

شرکت عنان اور مالکی فقہا شرکت مفاوضہ کہتے ہیں۔

شرکت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ اس معاہدے کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کاروبار کریں گے۔ اور کاروبار کے نفع و نقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

مضاربت یہ ہے کہ ایک فریق سرمایہ فراہم کرے، اور دوسرا اس سرمایے سے کاروبار کرے۔ اس معاہدے کے تحت کہ اسے کاروبار کے نفع میں ایک متعین نسبت سے حصہ ملے گا۔

مضاربت کی صورت میں بھی مال فراہم کرنے والے اور کاروبار کرنے والے متعدد افراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی سرمایہ چند افراد مل کر فراہم کریں اور اس سے چند آدمی مل کر کاروبار کریں، یا سرمایہ ایک فرد کا ہو اور اس سے چند افراد مل کر کاروبار کریں، یا چند افراد مل کر سرمایہ فراہم کریں اور اس سرمایے سے ایک فرد کاروبار کرے۔ یہ سب صورتیں جائز ہیں[1]

---

[1] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی صفحہ ۶۵۔ اس بیان کی سند کے لیے حنفی مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ کے مندرجہ ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

شمس الدین السرخسی: المبسوط جلد ۲۲ صفحہ ۲۰-۲۱

احمد الدردیر: الشرح الصغیر جلد ۲ صفحہ ۲۲ (علی ہامش بلغۃ السالک لاقرب المسالک للشیخ احمد الصاوی) مصطفیٰ البابی مصر سنہ ۱۳۷۲ھ

یحییٰ بن شرف النووی منہاج الطالبین و عمدۃ المفتین صفحہ ۶۵ - دار احیاء الکتب العربیہ۔ [illegible] ھ - ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ صفحہ ۱۳ مطبعۃ المنار - مصر سنہ ۱۳۶۷ھ

شرکت کی صورت میں یہ لازمی نہیں کہ ہر شریک عملاً بھی کاروبار کرنے میں حصہ لے۔ البتہ کسی شریک کو کاروبار میں عملی حصہ لینے سے محروم نہیں کیا جا سکتا اصولاً اسے یہ حق حاصل رہے گا۔ خواہ وہ عملاً حصہ لے یا نہ لے[1]

باہمی رضامندی سے یہ بھی ممکن ہے کہ سرمایہ چند افراد مل کر فراہم کریں اور کاروبار ان میں سے ایک یا چند افراد کریں، یا سرمایہ ایک آدمی کا ہو لیکن کاروبار کئی افراد مل کر کریں، جن میں سرمایہ فراہم کرنے والا فرد بھی شامل ہو۔

اب ہم شرکت اور مضاربت سے متعلق بعض اصولی احکام بیان کریں گے سارے احکام کا احاطہ نہیں کیا جائیگا، بلکہ صرف ان احکام کا ذکر کیا جائے گا، جو ہمارے اصل موضوع یعنی غیر سودی نظام بنک کاری سے گہرا تعلق رکھتے ہیں ان احکام کی ترتیب میں بھی موضوع کے تقاضوں کو رہنما بنایا گیا ہے۔ سارے ضروری احکام کو بیان کرنے کے بعد ہر حکم کی فقہی سند الگ الگ بیان کی جائے گی۔

شرکت اور مضاربت کے احکام

(الف) نفع کی تقسیم اور نقصان کی ذمہ داری

۱۔ نقصان نام ہے اصل سرمایے کے ڈوب جانے والے حصے کا۔ لہذا نقصان ہمیشہ کاروبار میں لگے ہوئے سرمایوں پر ان کی مقداروں کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا، اور اسے ان سرمایوں کے مالک برداشت کریں گے۔

اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی سرمایہ لگانے والا فریق کاروبار میں نقصان ہونے

[1] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی ص۴۲ تا ص۴۴

کی صورت میں نقصان برداشت کرنے کی اس ذمہ داری سے نہیں بچ سکتا جو اس کے لگائے ہوئے سرمایے کی نسبت سے اس کے سر آتی ہو۔ نیز یہ کہ جس فریق نے کاروبار میں سرمایہ نہ لگایا ہو، اس کو کاروبار کا نقصان برداشت نہ کرنا ہوگا۔

۲۔ نفع کی تقسیم شرکاءِ کاروبار کے درمیان باہم طے کردہ نسبتوں سے ہوگی۔ نفع میں ہر فریق کا حصہ لازماً نسبت یا فیصد کی صورت میں طے کیا جانا چاہیئے کسی فریق کے لیے کوئی متعین رقم نہیں طے کی جا سکتی۔

۳۔ مسلسل جاری کاروبار میں نقصانات کی تلافی نفع سے کی جاتی رہے گی تا آنکہ کاروبار ختم کر کے حسابات صاف کر لیے جائیں۔ حساب فہمی کے وقت پہلے اصل سرمایہ علیحدہ کیا جائے گا۔ تب جو رقم فاضل ہو، وہ نفع قرار پائے گی اور کمی واقع ہونے کی صورت میں کمی کی مقدار نقصان قرار پائے گی۔

۴۔ کاروبار کے نفع کے حق دار نفع کے مالک اس وقت قرار پائیں گے، جب اصل سرمایے اصحاب سرمایہ کو واپس مل جائیں۔ خواہ اپنے سرمایوں پر ان کا قبضہ عملاً ہو یا صرف قانوناً۔

(ب) شرکاءِ کار کے کاروباری تصرفات۔

۵۔ ایک شریک دوسرے شرکاء کی اجازت سے کاروبار کے لیے دوسرے افراد سے شرکت یا مضاربت کے معاہدے کے تحت مزید سرمایہ حاصل کر سکتا ہے اور شرکت کے مال کے ایک حصے کو کسی دوسرے فریق کو مضاربت یا شرکت کے معاہدے کے تحت کاروبار کرنے کے لیے دے سکتا ہے۔

۶۔ مضاربت کے معاہدے کے تحت سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کرنے والا

فریق سرمایے کے مالک کی اجازت عام کے تحت ۔ یا مخصوص طور پر اس امر کی اجازت حاصل کر کے ، کاروبار مضاربت میں اپنا ذاتی سرمایہ بھی شامل کر سکتا ہے اور دوسرے افراد سے مضاربت یا شرکت کے معاہدے کے تحت مزید سرمایہ حاصل کر کے بھی کام میں لا سکتا ہے ۔ اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ مالک کی اجازت سے مضاربت کے مال کو کسی دوسرے فریق کو مضاربت کے معاہدے کے تحت کاروبار کے لیے دے یا اس مال کے ذریعہ کسی دوسرے کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کرے ۔

۷ ۔ کوئی شریک یا مضاربت پر مال لے کر کاروبار کرنے والا فریق ، دوسرے شرکاء یا صاحب سرمایہ کی صریح اجازت کے بغیر شرکت یا مضاربت کے سرمایے میں سے دوسرے افراد کو قرض نہیں دے سکتا ۔ نہ دوسرے افراد سے قرض سرمایہ حاصل کر کے اس کاروبار میں لگا سکتا ہے ۔

۸ ۔ شرکت میں ہر شریک اور مضاربت میں کاروباری فریق کاروبار کے سلسلے میں ادھار فروخت کا اختیار رکھتا ہے ۔ الاّ یہ کہ اسے دوسرے شرکاء یا صاحب سرمایہ ایسا کرنے سے منع کر دیں بشرطیکہ کاروبار کی جانب سے ادھار خریدی جانے والی اشیاء اور خدمات کی قیمت کاروبار کی نسبت سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے اس سے زیادہ ادھار مال خریدنے کا اختیار دوسرے شرکاء یا صاحب سرمایہ کی اجازت سے ہی حاصل ہو سکتا ہے ۔ اجازت کے بعد اگر کسی فریق نے کاروبار کی جانب سے ادھار مال خریدا ہو ، اور کاروبار کا سرمایہ اس مال کی قیمت ادا کرنے کے لیے کافی نہ ہو ، تو وہ اس کی قیمت ادا کرنے میں دوسرے فریقوں کے ساتھ

برابر کا ذمہ دار ہوگا۔

(ج) شرکار کی مالی ذمہ داری۔

۹۔ شرکت میں کوئی شریک دوسرے شرکار کی اٹھائی ہوئی مالی ذمہ داریوں کا کفیل (ضامن) نہیں ہوتا، الا یہ کہ یہ ذمہ داری تمام شرکار کی اجازت سے مشترکہ کاروبار کی جانب سے اٹھائی گئی ہو۔ مضاربت میں سرمایہ فراہم کرنے والے فریق کی مالی ذمہ داری اس کے فراہم کردہ سرمایے کی حد تک محدود ہوگی الا یہ کہ اس نے اپنی جانب سے قرض لینے یا ادھار خریدنے کی اجازت دے کر اس ذمہ داری کو مزید وسعت دی ہو۔

(د) مدت کاروبار

۱۰۔ شرکت یا مضاربت کے معاہدے کو کوئی فریق کسی وقت بھی فسخ کر سکتا ہے۔ اگر فریقوں کی تعداد دو سے زائد ہو، تو باقی فریقوں کے حق میں معاہدہ قائم رکھا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ شرکت یا مضاربت کا معاہدہ متعین مدت کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ شرکت یا مضاربت کا معاہدہ کسی ایک فریق کی موت سے ختم ہو جاتا ہے۔ اگر فریقوں کی تعداد دو سے زائد ہو تو باقی فریقوں کے حق میں معاہدہ قائم رکھا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا احکام میں سے اکثر چاروں فقہی مکاتب کے درمیان متفق علیہ ہیں۔ البتہ بعض احکام کے بارے میں مختلف مکاتب فقہ کے درمیان

جزئی یا بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اب ہم ہر حکم کے سلسلے میں فقہا کی تصریحات پیش کریں گے۔ جہاں اختلاف پایا جاتا ہے اسے بیان کریں گے، اور واضح طور پر بتائیں گے کہ آئندہ مباحث میں ہم نے کس رائے کو کن وجوہ سے ترجیح دی ہے۔

دوسرا باب

مشترکہ کاروبار میں
نفع کی تقسیم اور نقصان کی ذمہ داری

نقصان کی ذمہ داری

۱۔ نقصان نام ہے اصل سرمایہ کے ڈوب جانے والے حصے کا۔ لہذا نقصان ہمیشہ کاروبار میں لگے ہوئے سرمایوں پر ان کی مقداروں کی نسبت سے تقسیم کیا جائیگا، اور اسے ان سرمایوں کے مالک برداشت کرینگے۔

یہ اصول کہ مشترکہ کاروبار میں خواہ یہ اشتراک مضاربت کے اصول پر مبنی ہو یا شرکت کے اصول پر، نقصان ہونے کی صورت میں یہ نقصان اصحاب سرمایہ کو اپنے لگائے ہوئے سرمایوں کی نسبت سے برداشت کرنا ہوگا۔ فقہ اسلامی کے تمام مکاتب کے درمیان متفق علیہ ہے۔ سنی فقہ کے چار مشہور اسکولوں کے علاوہ شیعہ فقہ کے تمام اسکول بھی اس بات پر متفق ہیں۔ استاذ علی الخفیف لکھتے ہیں۔

"کمی یا نقصان کو ہمیشہ اصل سرمایہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ تمام ائمہ اختلاف مسلک کے باوجود اس اصول پر متفق ہیں۔ اس اصول کے خلاف طے کی ہوئی شرط فاسد قرار پائے گی، اور نافذ

نہ کی جا سکے گی [۱]

"اگر (کاروبار میں) نقصان ہو تو اسے اصل سرمایے میں کمی واقع ہونا قرار دیا جائے گا، اور صرف صاحب سرمایہ کو برداشت کرنا ہوگا۔" [۲]

"جہاں تک نقصان یا بعض فقہا کی تعبیر کے مطابق کمی کا تعلق ہے وہ صاحب سرمایہ کی ملکیت اصل سرمایہ میں کمی واقع ہو جانے کا نام ہے۔ اس بنا پر وہ مالک ہی کی ذمہ داری ہوگی۔ کیونکہ کسی مال کا ضیاع یا اس میں کمی اس کے مالک ہی کے سر آتی ہے الا یہ کہ کسی دوسرے کی کمی ہوئی زیادتی کے سبب اس کی ذمہ داری بھی شامل ہو جائے۔ اس بنیاد پر کوئی ایسی شرط طے کرنا جائز نہیں جس کے مطابق نقصان میں صاحب سرمایہ اور کاروباری فریق دونوں کی شرکت ضروری ہو۔" [۳]

اسی اصول کی صراحت ابن رشد نے بھی کی ہے:

مسلمانوں کے درمیان مضاربت کے جواز کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ..... اور وہ سب اس پر متفق ہیں کہ ..... کاروباری فریق پر اصل سرمایہ کے ضائع ہو جانے والے حصہ کے سلسلے میں کوئی ذمہ داری نہیں۔ بشرطیکہ اس میں اس کی زیادتی کو دخل

---

[۱] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی ص۵۵ (شرکت سے متعلق بحث)

[۲] ایضاً ص۷۴ (مضاربت " ")

[۳] ایضاً ص۹۶

نہ ہوئے[1]

نقصان کی تعریف کرتے ہوئے مشہور حنفی محقق شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں:

"نقصان سرمایہ کے ہلاک ہو جانے والے حصے کا نام ہے"[2]

اور یہ کہ

"اس امر میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ نقصان کی کوئی ایسی نسبت طے کرنا جو سرمایہ کی مقدار کے مطابق نہ ہو ایک باطل شرط ہے"[3]

"مضاربت میں مضاربت پر مال لے کر کام کرنے والے کے ذمے کچھ بھی نقصان طے کرنا جائز نہیں"[4]

مالکی فقیہہ احمد الدردیر لکھتے ہیں:

"شرکت میں نفع اور نقصان دونوں شریکوں کے درمیان ان کے سرمایوں کے مطابق تقسیم پائیگا"[5]

یہ بات کہ مضاربت میں کاروباری فریق جو اپنا سرمایہ کاروبار میں نہ لگائے

---

[1] ابن رشد: بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۲۳۶ مصطفیٰ بابی حلبی و اولادہ، مصر ۱۹۵۰ء

[2] شمس الدین السرخسی: المبسوط جلد ۱۱ ص ۱۵۷

[3] ایضاً ص ۱۵۶

[4] ایضاً ص ۱۵۷ حنفی فقہا کی مزید تصریحات کیلئے ملاحظہ ہو

مرغینانی: ہدایہ جلد ۳ الباب المضاربۃ اور

کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ ص ۶۲ اور ص ۸۴

[5] احمد الدردیر: الشرح الصغیر جلد ۲ ص ۱۵۱

نقصان کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ مؤطا امام مالک کی کتاب القراض سے بھی واضح ہے[1]۔
شافعی مکتب فقہ کا اصول بھی یہی ہے

"نفع اور نقصان دونوں سرمایوں کی مقدار کے مطابق تقسیم پاۓ گا
خواہ شرکاء کے کاروباری اعمال برابر ہوں یا ان میں فرق ہو۔ اگر وہ
اس کے خلاف تقسیم کا کوئی اور اصول طے کرتے ہیں تو معاہدہ فاسد
ہوجائے گا۔"[2]

اسی فقہی ماخذ اور شافعی فقہ کی دوسری مستند کتابوں میں ۔۔۔۔۔۔۔۔
۔ مضاربت کی بحث میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ ایک معاہدہ ہے جو کاروبار
کرنے والے فریق کے ساتھ سرمایے کا مالک کاروبار کے نفع میں ایک متعین
نسبت کے ساتھ شرکت کے عوض کرتا ہے ۔ نقصان سے کاروباری فریق کا کوئی
تعلق نہیں۔

حنبلی محقق ابن قدامۃ المقدسی لکھتے ہیں :

نقصان یعنی خسارہ شرکت میں ہر شریک کا اس کے سرمایے کے
مطابق ہوگا ...... اور مضاربت میں نقصان مخصوص طور پر سرمائے
پر ہوگا۔ کاروباری فریق پر نہیں ہوگا۔ کیونکہ خسارہ اصل سرمایہ میں کمی
کا نام ہے، جو صاحب سرمایہ کی ملکیت ہے، جس میں کاروباری فریق
کا کوئی حصہ نہیں لہٰذا نقصان مالک کے سرمایہ میں ہی ہوگا دوسرے

---

[1] امام مالک : موطا۔ کتاب القراض۔ باب مالا یجوز من الشرط فی القراض
[2] ۔ یحییٰ بن شرف النووی۔ منہاج الطالبین ص ۵۶ (کتاب الشرکۃ)

فریق کا نہیں ہوگا"۔[1]

فقہاء اسلام کی مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہے کہ ہم نے جو اصول بیان کیا ہے وہ تمام مکاتب فقہ کے درمیان متفق علیہ ہے۔ فقہاء نے اس امر کی بھی صراحت کر دی ہے کہ جس فریق نے کاروبار میں سرمایہ نہ لگایا ہو، اس کو کاروبار کا نقصان نہ برداشت کرنا ہوگا۔ فقہا کی صراحتوں سے یہ بات بھی واضح ہے کہ کاروبار میں سرمایہ لگا کر اس کاروبار میں ہونے والے نقصان سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے کہ یہ اسلام میں سود کی حرمت کا براہ راست نتیجہ ہے جو ہمارے موضوع کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارے فقہا نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ نقصان نام ہے سرمایے کے ایک حصے کے ڈوب جانے کا، اس لئے جب بھی نقصان واقع ہوگا۔ وہ لازماً سرمایہ لگانے والے کے سر آئے گا۔

جب محنت یعنی کاروباری جدوجہد اور سرمایہ دونوں لگا کر کوئی مشترکہ کاروبار کیا جائے اور اس کاروبار میں کوئی نفع نہ ہو، نہ کوئی نقصان ہو تو کاروباری جدوجہد کا کوئی صلہ نہیں ملتا اور سرمایے کو کوئی نفع نہیں ملتا۔ جب اس میں کاروباری گھاٹا ہو تو یہ کمی سرمایے کے سر آتی ہے۔ غور کیجیے تو کاروباری جدوجہد کا صلہ نہ ملنا ہی اس فریق کے لیے جو کاروباری جدوجہد انجام دے رہا ہو ایک بڑا نقصان ہے اس پر مزید نقصان کا بار نہیں ڈالا گیا ہے۔ اس اصول کے پیچھے عدل و انصاف پر مبنی یہ فکر کام کر رہا ہے کہ محنت اور کاروباری جدوجہد کو سرمایہ پر لگانے کا

---

[1] ابن قدامۃ المقدسی: الشرح الکبیر علی المقنع جلد ۵ ص۱۱۹ مطبعۃ المنار، مصر ۱۳۴۲ھ
(یہ کتاب ابن قدامۃ کی المغنی کے ساتھ چھپی ہے)

تھا۔ اس سرمایہ میں اضافہ تھا۔ اگر یہ اضافہ عملاً نہ ہو سکا، تو اس کا تاوان کاروبار میں فریقوں کے سر نہیں ڈالا جاتا۔ اس کی ناکامی یہی ہے کہ اضافہ نہ کر سکنے کی وجہ سے وہ اپنے صلے سے محروم رہا، اور اس کی محنت اکارت گئی۔

نفع کی تقسیم

۲۔ نفع کی تقسیم شرکاء کاروبار کے درمیان باہم طے کردہ نسبتوں سے ہوگی نفع میں ہر فریق کا حصہ لازماً نسبت یا فی صد کی صورت میں طے کیا جانا چاہیئے۔ کسی فریق کے لیے کوئی رقم متعین نہیں طے کی جا سکتی۔

جہاں تک مضاربت کا تعلق ہے، نفع کی تقسیم کا مذکورہ بالا اصول چاروں مکاتب فقہ کے درمیان متفق علیہ ہے۔ یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ شرکت یا مضاربت میں کسی فریق کے لیے نفع میں سے کوئی متعین رقم طے نہیں کی جا سکتی۔ یہ بات کہ نفع کی تقسیم کے لیے شرکاء کاروبار باہمی رضامندی سے جو نسبتیں بھی چاہیں طے کر سکتے ہیں، مضاربت کی صورت میں تو متفق علیہ ہے۔ لیکن شرکت کی صورت میں یہ رائے صرف حنبلی اور حنفی فقہا کی ہے۔ مالکی اور شافعی فقہا کے نزدیک شرکت میں نفع کی تقسیم لازماً شرکاء کے فراہم کردہ سرمایوں کی نسبت سے عمل میں آئے گی۔

پہلے ہم متفق علیہ امور پر فقہی مآخذ سے سند فراہم کریں گے۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے مصنف نے صراحت کی ہے اس بات پر کہ مضاربت اور شرکت میں کسی فریق کا حصہ نفع متعین رقم کی صورت میں نہیں طے کیا جا سکتا، چاروں مکاتب فقہ متفق ہیں۔ نیز اس بات پر بھی کہ مضاربت میں

فریقین باہمی رضامندی سے نفع کی تقسیم کی جو نسبت بھی چاہیں طے کر سکتے ہیں[1]۔ کسی فریق کے لیے نفع کی کوئی رقم متعین نہیں طے کی جا سکتی۔

فقہاء احناف کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ شرکت میں کسی شریک کے لیے طے کردہ حصہ نفع کل نفع کا ایک عام حصہ باعتبار نسبت ہو، متعین رقم نہ ہو[2] اور ضروری ہے کہ "مضاربت پر مال لینے والے اور مال کے مالک دونوں کے لیے طے کیا جانے والا حصہ نفع ایک عام نسبت ہو۔ مثلاً آدھا، تہائی یا چوتھائی۔ اگر ایک متعین عدد طے کر لیا گیا۔ مثلاً یہ کہ ان میں سے ایک کے لیے نفع میں سے سو درہم یا اس سے کم یا زیادہ درہم ہوں گے اور باقی دوسرے کے لیے ہوگا تو یہ جائز نہیں اور مضاربت فاسد ہو جائے گی"[3]۔

مضاربت کے سلسلے میں مالکی اور شافعی فقہا کا مسلک بھی یہی ہے:

"مالک نے کہا ہے کہ اگر ایک آدمی دوسرے کو سرمایہ بطور مضاربت دے اور اس سے یہ طے کرے کہ نفع میں سے کچھ اسی کے لیے مخصوص

---

[1] عبدالرحمن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳ - مباحث الشرکۃ ص ۷۴ (حنفی مسلک)، ص ۱۱۱ (مالکی مسلک)، صفحہ ۱۱۲ (شافعی مسلک)، صفحہ ۱۱۳ (حنبلی مسلک)؛ مباحث المضاربۃ ص ۴۶ (حنفی مسلک)، صفحہ ص ۵۰ (مالکی مسلک)، صفحہ ۵۵ (شافعی مسلک) اور صفحہ ۵۶ (حنبلی مسلک)، طبع ثانی۔ شرکت فن الطباعۃ۔ مصر ۱۹۵۲ء۔

استاذ علی الخفیف نے بھی یہی لکھا ہے۔ الشرکات فی الفقہ الاسلامی ص ۲۹

[2] کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ ص ۵۹

[3] ایضاً ص ۸۵

ہوگا۔ اس کے کاروبار کرنے والے ساتھی کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا تو یہ صورت درست نہ ہوگی۔ خواہ مخصوص کی ہوئی یہ رقم ایک درہم ہی کیوں نہ ہو۔ صحیح صورت صرف یہ ہے کہ وہ آدھا نفع اپنے لیے طے کرے اور آدھا کاروباری فریق کے لیے یا تہائی، چوتھائی یا اس سے کم یا زیادہ طے کرے......[1]

مالکی فقہاء کے نزدیک ضروری ہے کہ مضاربت میں کاروباری فریق کیلیے طے کیا جانے والا حصہ نفع کل نفع کا۔

"ایک عام اور متعین جزء ہو۔ مثلاً چوتھائی یا آدھا، نیز متعین نہ ہو اسی مال کے نفع کا حصہ ہو، جو صاحب سرمایہ نے دیا ہے، کسی اور مال کا نفع نہ ہو، اور کوئی متعین رقم نہ طے کی جائے۔ مثلاً یہ کہ خواہ نفع کم ہو یا زیادہ، اس میں سے دس دینار کاروباری فریق کو ملیں گے......"[2]

شافعی فقہاء کے نزدیک جب ایک فریق سرمایہ فراہم کرے اور دوسرا اس سے کاروبار کرے تو:

"ضروری ہے کہ نفع انہی دونوں کے لیے مخصوص ہو اور دونوں اس میں شریک ہوں...... ہر ایک کا حصہ کل نفع کے ایک جزء کے طور پر متعین و معلوم ہو...... اگر کسی فریق کے لیے دس (درہم) طے کیے گئے یا کسی خاص قسم کے مال تجارت کا نفع طے کیا گیا تو معاہدہ

---

[1] احمد الدردیر: الشرح الصغیر جلد ۲ صفحہ ۳۲۷

[2] نووی: منہاج الطالبین صفحہ ۶۴-۶۵

فاسد ہو جائے گا"[1]

جہاں تک شرکت کا تعلق ہے، مالکی اور شافعی فقہا کی یہ رائے کہ نفع لازماً سرمایوں کی مقدار کے مطابق تقسیم پائیگا، اس بات کو مستلزم ہے کہ کسی شریک کے لیے نفع کی کوئی متعین رقم نہیں طے کی جا سکتی۔

حنبلی فقہا کا مسلک وہی ہے، جو حنفی فقہا کا ہے۔ یعنی جب دو افراد شرکت کریں تو

"نفع ان کے مابین ان کی طے کردہ نسبت سے تقسیم پائے گا، شرکت کی تمام صورتوں میں جہاں تک مضاربت کی سادہ شکل کا سوال ہے۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ..."[2]

"اور کسی شریک کے لیے مخصوص طور پر چند متعین دراہم زائد دینا نہیں طے کیا جا سکتا"[3]

"شرکت یا مضاربت میں دونوں فریقوں میں سے کوئی اگر اپنے لیے درہموں کی تعداد طے کرے ...... تو ایسا کرنا درست نہ ہو گا"[4]

---

[1] نووی : منہاج الطالبین - ص ۶۴-۶۵

[2] ابن قدامۃ المقدسی : الشرح الکبیر علی المقنع جلد ۵ ص ۱۱۶

[3] احمد الدردیر : الشرح الصغیر جلد ۲ ص ۱۵۷

[4] ابو حامد الغزالی : کتاب الوجیز فی مذہب الامام الشافعی جلد ۱ ص ۱۸۱ مطبعۃ الآداب والمؤید - قاہرہ ۱۳۱۷ھ

نفع کی تقسیم کے لیے نسبتوں کی تعیین میں آزادی۔

چند افراد یا دو افراد شرکت کے اصول پر کاروبار میں سرمایہ لگائیں تو مالکی اور شافعی فقہ کے مطابق یہ ضروری ہوگا کہ نفع ان کے لگائے ہوئے سرمایوں کی نسبت سے تقسیم پائے۔ ان کو یہ اختیار نہیں کہ نفع کی تقسیم کے لیے کوئی ایسی نسبت طے کر سکیں جو ان کے لگائے ہوئے سرمایوں کی نسبت سے مختلف ہو۔ اسی اصول تقسیم کی مناسبت سے مالکی فقہا یہ بھی کہتے ہیں کہ دونوں شرکار کی کاروباری اعمال انجام دینے کی ذمہ داری ان کے سرمایوں کی نسبت سے ہوگی۔

> شرکت کے مال کے سلسلے میں ان کے کاروباری اعمال ان کے سرمایوں کی مقدار کی نسبت سے ہونے چاہئیں اور کاروبار کا نفع و نقصان بھی ان کے درمیان ان کے سرمایوں کی نسبت سے تقسیم پائے گا۔ آدھا آدھا یا کسی اور نسبت سے۔ اگر وہ یہی اصول طے کر کے شرکت کا معاہدہ کریں تو یہ شرکت درست ہوگی۔ اگر کوئی اصول تقسیم نہ طے کریں تو بھی شرکت درست ہوگی اور ان کے درمیان اسی اصول کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر سرمایوں کی نسبت کے علاوہ کوئی اور نسبت طے کریں تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا۔[۱]

شافعی فقہار میں سے امام غزالی اس بات کا امکان تسلیم کرتے ہیں، کہ شرکار کے کاروباری اعمال اس نسبت سے نہ ہوں جو ان کے لگائے ہوئے سرمایوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا

---

[۱] احمد الدردیر: الشرح الصغیر جلد ۲ ص ۱۷۵

دو مساوی سرمایہ فراہم کرنے والے شرکا میں سے اس شریک کے لیے نفع کا زیادہ حصہ طے کیا جا سکتا ہے جو زیادہ کاروباری اعمال انجام دیتا ہو۔ لیکن ان کے بیان کے مطابق اس کے جواز میں اختلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

نفع اور نقصان سرمایوں کی نسبت سے تقسیم پائے گا۔ اگر وہ اس سے مختلف نسبتیں طے کریں تو یہ شرط باطل ہو گی اور معاہدہ فاسد ہو جائے گا .... اگر وہ اس شریک کے لیے زیادہ نفع طے کریں جس کے ذمے زیادہ کاروباری اعمال ہیں، تو اس شرط کے درست ہونے میں اختلاف ہے[1]

لیکن شافعی فقہ میں جو رائے اختیار کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ کاروباری اعمال میں تفاوت کے باوجود نفع ہمیشہ سرمایوں کی نسبت سے تقسیم پائے گا[2]

اس رائے کی دلیل ایک شافعی فقیہ نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"نفع اور نقصان دونوں سرمایوں کی نسبت سے تقسیم پائے گا۔ کیونکہ نفع ان کے سرمایوں کے نمو کا نام ہے اور خسارہ ان کے سرمایوں میں کمی واقع ہو جانے کا نام ہے۔ لہذا یہ دونوں ان دونوں سرمایوں کی مقداروں کی نسبت سے ہوں گے۔ اگر دونوں سرمایے برابر ہوں اور فریقین نفع اور نقصان میں ایک شریک کے لیے دوسرے سے زیادہ حصہ طے کریں یا سرمایے برابر نہ ہوں مگر وہ نفع اور نقصان میں

---

[1] ابو حامد الغزالی: کتاب الوجیز فی مذهب الامام الشافعی جلد ۱ ص۱۸۱

[2] عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳ ص۷۱

مساوی حصے طے کریں تو معاہدہ درست نہ ہوگا۔ چونکہ یہ ایک ایسی
شرط ہے جو شرکت کے تقاضا کے منافی ہے لہذا درست نہ ہوگی۔
اسی طرح جسطرح کہ وہ یہ طے کرلیں کہ سارا نفع ان میں سے صرف
ایک ہی شریک کو ملے گا[1]

مالکی اور شافعی فقہا کا اختیار کردہ مسلک یہی ہے کہ شرکا کے کاروباری اعمال میں اگر تفاوت بھی ہو تو اسے نظر انداز کر دیا جائے گا اور نفع کی تقسیم سرمایوں کی نسبت سے عمل میں آئے گی۔ ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ نفع سرمایہ کی بڑھوتری یا نمو کا نام ہے۔ اس لیے وہ سرمایہ کا تابع ہے[2] ان کی رائے کی دوسری بنیاد یہ بنائی گئی ہے کہ شرکت کا معاہدہ کاروبار میں لگائے جانے والے سرمایہ کے بارے میں ہوتا ہے۔ کاروباری اعمال کے بارے میں نہیں ہوتا۔ لہذا کاروبار کے منافع کے ذریعہ سرمایہ میں جو اضافہ ہو اسے اصل سرمایہ کے تابع رہنا چاہیئے، اور اسی نسبت سے تقسیم پانا چاہیئے[3] ان فقہا نے اپنی رائے کی سند میں یہ بات بھی پیش کی ہے کہ نقصان کے بارے میں یہ اصول تمام مکاتب فقہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وہ ہمیشہ سرمایوں کی نسبت سے تقسیم پائے گا۔ جسطرح نقصان سرمایہ میں واقع ہونے والی کمی کا نام ہے اسی طرح سرمایہ میں واقع ہونے والے اضافے کا

---

[1] ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی کتاب المہذب فی فقہ مذہب الامام الشافعی جلد ۱ صفحہ ۳۴۶ دار الکتب العربی، مصر۔

[2] یہ دلیل فیروز آبادی کے مذکورہ بالا اقتباس میں صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ابن رشد: بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۲۵۳

[3] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی صفحہ ۵۵

کا نام نفع ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ نفع کی تقسیم کا اصول نقصان کی تقسیم سے مختلف ہو۔

ان رایوں کا تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان فقہا نے کاروباری جدوجہد کو مشترکہ کاروبار میں نفع کے استحقاق کی ایک مستقل اور علیحدہ بنیاد نہیں تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ کاروباری جدوجہد سرمایہ کے تابع اور اسی نسبت سے ہوتی ہے۔ یہ مفروضہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بات عام تجربے سے ظاہر ہے کہ بعض شرکاء دوسروں کی بہ نسبت زیادہ لائق اور تجربہ کار ہوتے ہیں، یا زیادہ محنتی ہوتے ہیں۔ عملاً ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں کہ مشترکہ سرمایہ سے کیے جانے والے کاروبار میں چند شرکاء بہت زیادہ کاروباری جدوجہد کرتے ہوں اور بعض شرکاء بہت کم جدوجہد کرتے ہوں۔ کاروباری اعمال کی قدروقیمت وقت دینے اور مشغول رہنے کے پیمانے سے بھی نہیں ناپی جاسکتی کیونکہ ایک صاحب بصیرت اور ماہر کاروباری فرد کے چند کاروباری فیصلے دوسرے فرد کی دوڑ دھوپ سے زیادہ اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ عدل وانصاف کا تقاضا یہی ہے کہ مشترکہ کاروبار میں نفع کے استحقاق کے لیے سرمایہ کے پہلو بہ پہلو کاروباری جدوجہد کو علیحدہ اور مستقل بنیاد کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے فریقین کو اس بات کا حق دیا جائے کہ وہ باہمی رضامندی سے نفع کی تقسیم کے لیے جو اصول چاہیں طے کرلیں۔

شریعت نے کاروباری جدوجہد کو نفع کے استحقاق کی ایک مستقل بالذات بنیاد تسلیم کیا ہے۔ اس کی دلیل مضاربت میں کاروباری فریق کو ملنے والا حصہ نفع ہے۔ مزید برآں تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کاروباری فریق صاحب سرمایہ کی اجازت سے مضاربت کے کاروبار میں اپنا ذاتی سرمایہ بھی لگائے تو اس

سرمایہ کا پورا نفع اسی کو ملے گا۔ اس کے علاوہ اسے صاحب سرمایہ سے لیے ہوئے سرمایہ کے نفع میں سے طے شدہ نسبت کے مطابق حصہ بھی ملے گا۔ یہ صورت عملاً شرکت کی اس صورت کی طرح ہے، جس میں سارے کاروباری اعمال صرف ایک شریک انجام دیتا ہو۔ کوئی وجہ نہیں کہ کاروباری جدوجہد کو جو وزن مضاربت میں دیا گیا ہے وہ شرکت میں نہ دیا جائے۔ ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ مضاربت پر سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کرنے والا اگر صاحب سرمایہ سے کاروباری اعمال کی انجام دہی میں تعاون چاہے اور وہ برضا ورغبت اس پر آمادہ ہو جائے، تو بھی نفع کی تقسیم اسی شرط کے مطابق ہو گی جو مضاربت کا معاہدہ کرتے وقت طے کی گئی تھی۔ اس صورت میں عملاً ایک فریق کے لگائے ہوئے سرمایہ سے دو افراد کاروبار کرتے ہیں اور نفع دونوں کے درمیان تقسیم پاتا ہے۔ پورا نفع صاحب سرمایہ کو نہیں ملتا۔ معلوم ہوا کہ مشترکہ کاروبار میں نفع کو نقصان کی طرح سرمایہ کا تابع کر دینا اور کاروباری جدوجہد کو یکسر نظر انداز کر دینا خود مالکی، اور شافعی فقہاء کے تسلیم کیے ہوئے دوسرے جائز کاروباری معاہدوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

نفع اور نقصان کے درمیان فرق

نفع کی تقسیم کو نقصان کی ذمہ داری پر قیاس کرنا درست نہیں۔ نفع سرمایہ لگا کر کاروباری جدوجہد کرنے کا مشترکہ ثمرہ ہے۔ نقصان کسی جدوجہد کا ثمرہ نہیں۔ نفع کامیاب کاروباری جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ نقصان کو ان معنی میں کاروباری جدوجہد کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نقصان اس بات کی علامت ہے کہ کاروباری

جدوجہد کے باوجود سرمایہ میں اضافہ نہیں ہوسکا۔

نفع اور نقصان کی نوعیت میں اس اصولی فرق کا شریعت نے لحاظ رکھا ہے یہ بابت مضاربت کے شرعی اصول سے واضح ہے اگر کاروبار مضاربت میں نقصان ہو، تو کاروباری فریق کو اس نقصان کا کوئی حصہ برداشت نہیں کرنا ہوگا۔ اس نے سرمایہ کے ذریعے کاروباری جدوجہد کی تاکہ سرمایہ میں اضافہ ہو، اور اس نفع میں سے اسے بھی حصہ ملے۔ لیکن باوجود کوشش کے اضافہ نہ ہوسکا، اس کی کاروباری جدوجہد ناکام رہی اسے کوئی نفع نہیں ملے گا۔ یہی اس کا نقصان ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر اس پر سرمایہ میں واقع ہونے والی کمی، یعنی کاروبار کے خسارہ، کا بار نہیں ڈالا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ شریعت نقصان کو کاروباری جدوجہد کا نتیجہ یا "ثمرہ" یا حاصل نہیں قرار دیتی۔ وہ نقصان کو سرمایہ میں نقصان قرار دیتی ہے۔ اسکے برعکس اگر مضاربت پر سرمایہ حاصل کرکے کاروباری جدوجہد کرنے والے کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور کاروبار میں نفع ہوا، تو اسے اس نفع میں سے ایک حصہ ملتا ہے معلوم ہوا کہ شریعت نفع کو سرمایہ کے ساتھ کاروباری جدوجہد کا نتیجہ اور ثمرہ قرار دیتی ہے۔

شریعت نے نفع اور نقصان کو ایک درجہ نہیں دیا ہے، نہ ان کی تقسیم کا اصول ایک رکھا ہے۔

حنفی فقہا کے نزدیک شرکت میں نفع کی تقسیم کے لیے سرمایوں کی نسبت کی پابندی ضروری نہیں بلکہ شرکا رباہمی رضامندی سے نفع کی تقسیم کے لیے جو نسبتیں بھی چاہیں طے کرسکتے ہیں۔

"جائز ہے کہ دو شرکار کے سرمایے برابر ہوں اور نفع میں ایک کا حصہ

دوسرے سے زیادہ ہو[1]:

"نفع کا استحقاق شرط پر مبنی ہے، چنانچہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اس حصہ کا مستحق ہوگا جواز روئے شرط اس کے لیے طے پایا ہو"[2]

ایک حنفی محقق نے اپنے مسلک کی دلیل ان الفاظ میں بیان کی ہے[3]:-

"بنیادی بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نفع کا استحقاق یا تو سرمایہ کی بنیاد پر ہوتا ہے یا عمل کی بنیاد پر یا ضمان (ذمہ داری) کی بنیاد پر ......

پس معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک سبب اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ نفع کا حق دار بنا سکے ......

ہمارے نزدیک نفع کا استحقاق کبھی سرمایہ کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی کاروباری عمل کی وجہ سے اور کبھی مالی ذمہ داری کی وجہ سے، جیسا کہ ہم نے اوپر واضح کیا ہے۔ خواہ دونوں فریق کاروباری اعمال بجا لائیں یا صرف ایک فریق، نفع ان دونوں کے درمیان طے شدہ شرط کے مطابق تقسیم پائے گا، کیونکہ شرکت میں کاروباری عمل کی بنیاد پر نفع کے استحقاق کے لیے عمل کا شرط ہونا کافی ہے، بالفعل محنت کرنا ضروری نہیں۔"

یہی رائے حنبلی فقہا کی بھی ہے:-

---

[1] مرغینانی: ہدایہ جلد ۲ (کتاب الشرکۃ۔ شرکت عنان)

[2] سرخسی: المبسوط جلد ۱۱ صـ ۱۵۷

[3] کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ صـ ۶۲۔۶۳

"شرکت عنان، یعنی دو افراد کے اپنے سرمایوں کے ساتھ کاروبار میں شریک ہونے کی صورت میں یہ جائز ہے کہ دونوں نفع کے حقوق کو سرمایوں کے مطابق رکھیں اور یہ بھی جائز ہے کہ سرمایوں میں تفاوت کے باوجود نفع کے حصوں کو برابر رکھیں یہی امام ابو حنیفہ رح کا مسلک ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع کاروباری اعمال کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس لیے جب دونوں فریق کاروباری اعمال انجام دے رہے ہوں تو جائز ہوگا کہ نفع کی تقسیم میں ایک کا حصہ دوسرے سے زیادہ ہو۔"[1]

ہمارے نزدیک حنفی اور حنبلی فقہا کی یہ رائے دلائل کے اعتبار سے بھی زیادہ وزنی ہے اور مشترکہ کاروبار میں سہولت اور وسعت پیدا کرنے میں بھی معاون ثابت ہوگی۔ مشترکہ کاروبار میں منافع کی منصفانہ تقسیم کے لیے شرکار کو یہ اختیار دینا ضروری ہے کہ وہ اپنے لگائے ہوئے سرمایوں اور اپنی صلاحیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے باہمی رضامندی سے نفع کی تقسیم کا کوئی اصول طے کر سکتے ہیں۔ اگر اس کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نفع کی تقسیم کو لازماً سرمایوں کا تابع رکھا جائے گا تو مختلف صلاحیتوں کے حامل افراد کے لیے کاروبار میں اشتراک کرنا مشکل ہو جائے گا اور اشتراک کی صورت میں زیادہ صلاحیت اور تجربہ رکھنے والے افراد کے ساتھ بے انصافی لازم آئے گی۔ آئندہ مباحث میں ہم اسی رائے کو ترجیح دیں گے۔

حساب فہمی کا طریقہ

۲۔ مسلسل جاری کاروبار میں نقصانات کی تلافی نفع سے کی جاتی رہے گی۔ تا آنکہ

---

[1] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ صفحہ ۱۴۰

کاروبار ختم کر کے حسابات صاف کر لیے جائیں۔ حساب فہمی کے وقت پہلے اصل سرمایہ علیحدہ کیا جائے گا۔ تب جو رقم فاضل ہو وہ نفع قرار پائے گی اور کمی واقع ہونے کی صورت میں کمی کی مقدار نقصان قرار پائے گی۔

یہ اصول بھی تمام مکاتب فقہ کے درمیان متفق علیہ ہے اور اس کا اطلاق شرکت اور مضاربت دونوں پر ہوتا ہے۔ شرکت کی صورت میں چونکہ کاروبار کے سرمایہ میں ہر شریک کا حصہ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر اختتام معاہدہ سے پہلے شرکا کے درمیان کچھ نفع تقسیم کر دیا جائے تو اس سے حساب فہمی کے موقع پر نزاعی صورت پیدا ہونے کا امکان نہیں۔ کیونکہ اگر حساب سے یہ معلوم ہو کہ کسی شریک کو اس کو ملنے والے کل نفع سے زیادہ نفع دیا جا چکا ہے تو یہ رقم اس کے اصل سرمایہ کی واپسی کے وقت وضع کی جا سکتی ہے۔ مضاربت میں چونکہ سرمایہ ایک ہی فریق کا ہوتا ہے مگر نفع میں دونوں فریق شریک ہوتے ہیں لہذا علی الحساب تقسیم نفع سے نزاعی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر کاروباری فریق کو اس کے حصے سے زیادہ نفع دیا جا چکا ہو، یا اسے نفع کا ایک حصہ دینے کے بعد کاروبار میں اتنا نقصان ہو جائے کہ حساب کتاب کے وقت وہ کسی نفع کا مستحق نہ قرار پائے تو اس کو دیئے ہوئے نفع کی واپسی میں دشواری پیش آ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کے یہاں اس مسئلے پر بحث مضاربت کے باب میں ملتی ہے۔ ذیل میں فقہی مآخذ سے جو اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں وہ مضاربت کے ابواب سے لیے گئے ہیں۔

نفع یا نقصان کی تعین اختتام کاروبار پر ہوگی۔

ابن رشد نے لکھا ہے کہ:۔

ان (فقہاء اسلام) کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ مضاربت پر مال لے کر کاروبار کرنے والا نفع میں سے اپنا حصہ اس وقت سے گا جب پورا سرمایہ کاروبار پھر نقد کی شکل اختیار کر لے ـــ اور یہ کہ اگر اسے کاروبار میں نقصان ہو اور اس کے بعد وہ پھر کاروبار کرے اور اس میں نفع ہو تو اس نفع سے پچھلے نقصان کی تلافی کی جائے گی [1]

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ فریقین کے نفع یا نقصان کی مقداروں کی تعیین کاروبار ختم ہونے پر ہی کی جائے گی، اور آخری طور پر حساب کتاب اس وقت ممکن ہوگا۔ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کاروبار ختم ہونے سے پہلے اس میں نفع ظاہر ہو اور کچھ نفع تقسیم کر لیا جائے تو ایسا کرنا درست ہوگا یا نہیں ؟ اور اس تقسیم سے کسی فریق کو جو رقم ملے گی اس پر اس کی ملکیت مکمل اور مستقل ہوگی یا عارضی اور نامکمل ـــ اسی ضمن میں یہ بحث بھی پیدا ہوتی ہے کہ نفع کا مستحق اس نفع کا مالک کب ہوتا ہے۔ نفع واقع ہوتے ہی یا اس کی تقسیم عمل میں آنے پر۔ حنفی، مالکی اور شافعی فقہاء کے نزدیک نفع کا ظہور اور اس کی ملکیت کا ثبوت اس وقت ہوتا ہے جب حساب فہمی کے بعد اصل سرمایہ صاحب سرمایہ کو واپس مل جائے [2]

حنبلی فقہاء اور شیعہ مکاتب فقہ کے نزدیک نفع واقع ہوتے ہی مضاربت میں کاروباری فریق اپنے حصۂ نفع کا مالک ہو جاتا ہے مگر یہ ملکیت پوری طرح قائم اسی

---

[1] ابن رشد: بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۱۴۰

[2] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی صفحہ ۸۶

وقت ہوتی ہے جب حساب کتاب کے بعد نفع کی تقسیم عمل میں آجاتی ہے[۱] اس پورے مسئلے کے بارے میں چاروں فقہی اسکولوں کے مسلک درج ذیل بیان سے واضح ہیں

حنفیہ کہتے ہیں کہ نفع کی تقسیم اس وقت تک درست نہیں جب تک صاحب سرمایہ اپنے اصل سرمایہ پر قبضہ نہ کرلے۔ اگر نفع اس سے پہلے تقسیم کرلیا گیا ہے تو یہ تقسیم عارضی (موقوف) ہوگی۔ پھر اگر مالک نے اصل سرمایہ پر قبضہ کرلیا تو (یہی تقسیم) صحیح ہوجائے گی ورنہ کالعدم قرار پائے گی.....[۲]

"البتہ اگر نفع تقسیم کرلیا جائے اور اصل سرمایہ مضاربت پہ مال لے کر کاروبار کرنے والے ہی کے پاس ہو، پھر مضاربت کا یہ معاہدہ ختم کرکے ایک نئے معاہدے کے تحت ازسرنو مضاربت شروع کی جائے تو جو نفع تقسیم کیا جاچکا اس کی تقسیم نافذ ہوجائے گی اور یہ نفع پھر واپس نہ لیا جاسکے گا"[۳]

"شافعیہ کہتے ہیں کہ مالک کے سرمایہ پہ قبضہ کرنے سے پہلے نفع کی تقسیم درست ہے مگر جب بھی تمام اشیاء تجارت کے فروخت ہوجانے اور اصل سرمایہ کے نقد کی صورت اختیار کرلینے سے پہلے نفع کی تقسیم عمل میں لائی جائے گی تو اس نفع پہ ملکیت نہیں قائم ہوگی۔ اگر اس تقسیم

---

[۱] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی صـ۸۶

[۲] عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳ صـ۵۰ (مباحث المضاربۃ)

[۳] ایضاً صـ۱۸

کے بعد سرمایہ میں کوئی نقصان ہوا تو اس کی تلافی نفع میں سے کی جائے گی جو حصہ نفع کاروباری فریق کو دیا گیا ہو اسے واپس لیا جائے گا اور جو حصہ صاحب سرمایہ نے لیا ہو اسے اصل سرمایہ میں سے وضع کیا جائے گا[1]

"مالکیہ کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ اصل سرمایہ میں اگر کاروبار کرنے کے سبب کوئی نقصان ہو یا کسی آفت سماوی کے سبب یا چور کے چوری کرنے کی وجہ سے اس کا کوئی حصہ ضائع جائے تو اس کمی کی تلافی نفع میں سے کی جائے گی۔ یعنی ضیاع یا خسارے کے بعد اصل سرمایہ کا جو حصہ بچا ہے اس میں پچھلا نفع ملا کر اصل سرمایہ کو پورا کیا جائے گا۔ اس کے بعد بھی اگر کچھ فاضل بچے تو وہ کاروباری فریق اور صاحب سرمایہ کے درمیان اسی شرط کے مطابق تقسیم پائے گا جو انہوں نے شروع میں طے کی تھی۔ اگر صاحب سرمایہ کے اصل سرمایہ پر قبضہ پانے سے پہلے نفع تقسیم کر لیا گیا ہو تو اسی قاعدے کے مطابق عمل کیا جائے گا اور نفع میں سے جو کچھ لیا گیا ہو اسے واپس کر کے نقصان کی صورت میں اصل سرمایہ کو پورا کیا جائے گا۔"[2]

"حنابلہ کہتے ہیں کہ جب تک مضاربت پر سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کرنے والا اصل سرمایہ کو اس کے مالک کو واپس نہ کر دے وہ نفع میں سے

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳ صفحہ ۹ (مباحث المضاربۃ)

[2] ایضاً صفحہ ۸

سے کسی حصہ کا حق دار نہ ہوگا اور نقصان کی تلافی نفع میں سے کی جائے گی ....
.... یہ بات قبضہ کے قائم مقام سمجھی جائے گی کہ تمام اشیاء فروخت کر دی جائیں اور اصل سرمایہ نقد کی صورت اختیار کرلے ..... اس کے بعد اگر دونوں فریق حساب فہمی کریں اور نفع تقسیم کرلیں مگر صاحب سرمایہ اپنے سرمایہ پر قبضہ نہ کرے بلکہ کاروباری فریق سے یہ طے کرے کہ وہ اس سرمایہ کے ذریعے مضاربت کے اصول پر کاروبار کرے گا۔ پھر اس کاروبار میں نفع ہو تو اس نفع سے سابق کاروبار کے نقصان کی تلافی نہیں کی جائے گی۔[1]

اوپر احناف کا جو مسلک بیان کیا گیا ہے اس کی صراحت خود حنفی فقہاء نے دلائل کے ساتھ کی ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ :-

اگر مضاربت علی حالہا قائم ہے مگر فریقین نے نفع تقسیم کر لیا ہے۔ اور اس کے بعد سرمایہ کا ایک حصہ ضائع ہو جائے تو دونوں نفع واپس کر دیں گے تاکہ صاحب سرمایہ اصل سرمایہ کو پورا واپس لے سکے کیونکہ نفع کی تقسیم اصل سرمایہ کو پورا کر لینے سے پہلے درست نہیں ہوتی۔ وہ (سرمایہ) بنیاد ہے اور یہ (نفع) اسی پر مبنی اور اس کے تابع ہے۔"[2]

احناف کے نزدیک نفع کاروبار میں نفع واقع ہونے پر نہیں بلکہ نفع کی تقسیم عمل میں آنے پر متحقق ہوتا ہے۔

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳ صہ ۸

[2] مرغینانی: ہدایۃ جلد ۳ کتاب المضاربۃ

"نفع تقسیم سے نمودار ہوتا ہے اور تقسیم کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ اصل سرمایہ پر قبضہ کر لیا جائے چنانچہ (مالک کے) اصل سرمایہ پر قبضہ لینے سے پہلے نفع کی تقسیم درست نہیں۔"[1]

"ہمارا کہنا یہ ہے کہ جب تک اصل سرمایہ پورے کا پورا صاحب سرمایہ کو نہ دے دیا جائے نفع نمودار ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ نفع اضافہ کا نام ہے جب تک خود اصل سرمایہ صاحبِ سرمایہ کو نہ مل جائے اس میں اضافہ ظاہر نہیں ہو سکتا۔"[2]

یہی موقف شافعی فقہاء نے بھی اختیار کیا ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں :۔

"راجح رائے یہی ہے کہ مضاربت پر کاروبار کرنے والا اپنے حصہ نفع کا مالک نفع کی تقسیم ہونے پر ہوتا ہے نہ کہ نفع کے واقع ہونے پر۔۔۔۔۔۔ نرخ گر جانے سے جو خسارہ ہوتا ہے اس کی تلافی، جہاں تک ممکن ہو، نفع میں سے کی جائے گی۔ اسی طرح اگر کچھ مال کسی آفت سماوی یا غصب یا چوری کی وجہ سے کاروباری فریق کے کاروبار شروع کر دینے کے بعد ضائع جائے تو اس کی تلافی بھی نفع میں سے جائے گی، زیادہ صحیح رائے یہی ہے اور اگر یہ ضیاع کاروباری فریق کے تصرف سے پہلے واقع ہو تو زیادہ صحیح رائے کے مطابق، وہ اصل سرمایہ میں محسوب ہوگا۔۔۔۔

---

[1] کاسانی : بدائع الصنائع ۔ جلد ۶ صفحہ ۱۰۷

[2] سرخسی : المبسوط ۔ جلد ۲۲ ، صفحہ ۲۰

اگر مالک سرمایہ کا کچھ حصہ نفع یا نقصان واقع ہونے سے پہلے واپس لے لے تو باقی سرمایہ ہی اصل قرار پائے گا۔" [1]

جیسا کہ ذیل کے اقتباسات سے واضح ہے مالکی اور حنبلی محققین کا موقف بھی یہی ہے کہ نفع کی اصل تقسیم جس کا اعتبار کیا جائے گا وہی ہے جو اختتام معاہدہ پر اصل سرمایہ کو علیحدہ کرنے کے بعد عمل میں لائی جائے۔

"جب مال میں گھاٹا ہو ...... تو اس کمی کو نفع میں سے پورا کیا جائے گا اور اس کمی کی تلافی کے بعد جو نفع باقی بچے وہ فریقین کے درمیان ان کی طے کردہ شرط کے مطابق تقسیم پائے گا .... یہ اسی وقت تک جب تک اصل سرمایہ کاروباری فریق سے واپس نہ لے لیا جائے۔ اگر صاحب سرمایہ نے اصل سرمایہ کو گھاٹے کے ساتھ واپس لے لیا پھر اسے کاروباری فریق کو دوبارہ دیا تو اب اس میں جو کمی (پہلے ہو چکی) ہے اس کی تلافی (آئندہ) نفع سے نہیں کی جائے گی کیونکہ اب یہ مضاربت کا ایک نیا معاہدہ قرار پائے گا۔" [2]

"مضاربت پر سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کرنے والے کو اس وقت تک کوئی نفع نہیں ملے گا جب تک اصل سرمایہ پورا واپس نہ لے لیا جائے۔ یعنی اصل سرمایہ مالک کو لوٹا دینے سے پہلے اسے نفع میں سے

---

[1] نووی :- منہاج - ص ۶۵

[2] احمد الدردیر: الشرح الصغیر جلد ۲ ص ۲۴۳

کچھ لینے کا حق نہیں۔ جب مال میں گھاٹا اور نفع دونوں ہوں تو نقصان کی تلافی نفع سے کی جائے گی۔ خواہ نقصان اور نفع ایک ہی بار کے کاروبار میں ہوا ہو، یا ایک تجارت میں گھاٹا ہوا اور دوسری تجارت میں نفع ہو[1]

اختتام کاروبار سے پہلے نفع کی تقسیم

حنابلہ کا اختلاف جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، صرف اس جزئی مسئلے میں ہے کہ کیا کاروباری فریق کا اپنے حصۂ نفع پر حق ملکیت نفع کے واقع ہوتے ہی قائم ہو جاتا ہے۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں :-

"تقسیم سے پہلے نفع کے واقع ہوتے ہی کاروباری فریق کے اس کے مالک ہو جانے کے سلسلے میں ہمارا غالب مسلک یہی ہے کہ اس کا یہ حق قائم ہو جاتا ہے۔ قاضی نے یہی مسلک بیان کیا ہے اور یہی ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔ ابوالخطاب نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے کہ جب تک تقسیم نہ عمل میں آجائے کاروباری فریق نفع کا مالک نہیں ہوتا۔ یہی امام مالک کا مسلک ہے۔ اور شافعیؒ کی طرف مذکورہ بالا دو رایوں کی طرح دو اقوال منسوب ہیں"[2]

حنبلی فقہاء اس جزئی اختلاف کے علاوہ اس اصول سے پوری طرح متفق ہیں جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک بھی مناسب یہی ہے کہ فریقین کے

---

[1] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ صـ ۱۶۹

[2] ایضاً ایضاً

درمیان نفع کی تقسیم اختتام کاروبار پر ہو۔ البتہ وہ اس بات میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے کہ اگر صاحب سرمایہ راضی ہو تو کاروباری فریق کو نفع کی کچھ قسطیں علی الحساب دے دی جائیں۔ اس صورت میں بھی وہ دوسرے فقہاء کی طرح وہ یہی رائے رکھتے ہیں کہ یہ تقسیم نفع عارضی ہوگی اور اصل تقسیم اختتام کاروبار پر اصل سرمایہ کو علیحدہ کر لینے کے بعد ہوگی۔ آخری طور پر حساب کرنے سے اگر کسی فریق کو علی الحساب دیئے ہوئے نفع میں سے کسی رقم کی واپسی ضروری نظر آئی تو ایسا ہی کیا جائے گا۔ ذیل کی عبارت اس بارے میں بالکل واضح ہے۔

"جب کاروباری فریق پر یہ واضح ہو جائے کہ اس کے ہاتھ میں اصل سرمایہ سے زیادہ مال ہے تو وہ صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر اس میں سے کچھ لینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جب مضاربت میں نفع ظاہر ہو تو کاروباری فریق کو صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر اس میں سے کچھ لینے کا اختیار نہیں۔ ہمارے علم کی حد تک اس سلسلے میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ کاروباری فریق کو یہ اختیار نہ حاصل ہونے کے تین اسباب ہیں...... تیسرا سبب یہ ہے کہ اس نفع پر اس کی ملکیت غیر مستقل ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آئندہ نقصان ہو اور اس کی تلافی میں یہ نفع اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اگر صاحب سرمایہ نے اسے کچھ لینے کی اجازت دی ہو تو ایسا کرنا جائز ہوگا کیونکہ اس (مال) سے متعلق سارے حقوق انہی دو افراد کے درمیان محدود ہیں، ان کے علاوہ اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔"[1]

---

[1] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ صـ۱۶۷

چاروں مکاتب فقہ کی تصریحات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہے کہ اگر فریقین کی رضامندی سے اختتام کاروبار سے پہلے نفع کی قسطوں کے طور پر کچھ رقمیں علی الحساب لے لی جائیں ـــــ اس صورت میں جبکہ اس وقت تک کے کاروبار میں نفع واقع ہو چکا ہو ـــــ تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ اگر اس تقسیم نفع کو عارضی اور اختتام کاروبار پر ہونے والے حساب کتاب کے تابع سمجھا جائے تو اس میں کسی مکتب فقہ کو اعتراض نہ ہوگا۔ آئندہ مباحث میں ہم یہی رائے اختیار کریں گے۔ کسی مشترکہ کاروبار کے ایک طویل مدت تک مسلسل جاری رکھنے کی صورت میں سہولت اور شرکاء کے مفادات و مصالح کا تقاضا یہی ہے کہ اختتام کاروبار سے پہلے نفع کی تقسیم ممکن ہو۔ مضاربت کی صورت میں اس کی ضرورت زیادہ ہے، کیونکہ کاروباری فریق نے جس کاروبار کو ذریعۂ معاش بنایا ہے اس سے اگر عرصہ دراز تک اسے کوئی آمدنی نہ ہو تو وہ اسے جاری نہ رکھ سکے گا۔

سرمایہ کی واپسی اور نفع کی تقسیم

۴۔ کاروبار میں نفع کے حق دار نفع کے مالک اس وقت قرار پائیں گے جب اصل سرمایہ اصحاب سرمایہ کو واپس مل جائیں، خواہ اپنے سرمایوں پر ان کا قبضہ عملاً ہو یا صرف قانوناً۔

اوپر تیسرے اصول کی سند میں جو فقہی عبارتیں نقل کی ہیں وہی اس اصول کی سند بھی فراہم کرتی ہیں۔ تمام فقہا متفق ہیں کہ مشترکہ کاروبار میں نفع کی مستقل تقسیم اور شرکاء کی اپنے اپنے حصۂ نفع پر مکمل ملکیت اس وقت قائم ہوگی جب اصل سرمایے اصحاب سرمایہ کو واپس مل جائیں۔

اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قبضہ یا واپس ملنے سے کیا مراد ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اصل سرمایہ مالک کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ عملاً قبضہ کی صورت جہاں پر سہولت ممکن ہو اس کا اہتمام بہتر ہوگا۔ قبضہ یا واپسی کی دوسری صورت یہ ہے کہ سرمایہ نقد کی صورت میں موجود ہو لیکن وہ عملاً کاروباری فریق یا شرکار کاروبار کے ہاتھ میں ہو، مالک کے ہاتھ میں نہ آیا ہو۔ البتہ مالک کے لیے یہ پوری طرح ممکن ہو کہ وہ چاہے تو اسے اپنے ہاتھ میں لے اور خرچ کر دے یا محفوظ رکھے اور چاہے تو اسی کاروباری فریق یا انہی شرکار کے ہاتھ اس سرمایے کے ذریعے ایک نیا کاروباری معاہدہ کرے۔ یہ قانونی قبضہ ہے جس میں رقم ہاتھ میں تو نہیں آتی مگر پوری طرح زیر تصرف آجاتی ہے۔ چونکہ ملکیت اور قبضہ کا اصل جوہر مکمل تصرف ہے۔ اس لیے اکثر فقہار نے اسے قبضہ اور واپس ملنے کے ہم معنی قرار دیا ہے۔ اصل سرمایے کے قانوناً مالک کو واپس مل جانے کے بعد سابق کاروبار کے نفع ونقصان کی تقسیم آخری اور قطعی ہو جاتی ہے اور اب اس سرمایے سے ایک نیا کاروبار شروع کیا جا سکتا ہے۔

حنفی اور حنبلی فقہ کی جو صراحتیں اوپر نقل کی گئی ہیں ان میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اگر ایک کاروبار کے حسابات صاف کر کے نفع ونقصان کی تعیین و تقسیم عمل میں آجاتے اور پھر سرمایے کا مالک کاروباری فریق سے کہے کہ وہ اسی سرمایے سے کاروبار کرے تو یہ ایک نیا معاہدہ قرار پائے گا اور ایسا کرنا جائز ہوگا۔

شافعی فقہار تقسیم نفع کے لیے جس بات پر زیادہ زور دیتے ہیں وہ کاروبار کے سرمایے کا اشیار واجناس کی فروخت کے ذریعے نقد کی صورت میں منتقل ہو جانا ہے اگر یہ شرط پوری ہو چکی ہے تو نفع کی تقسیم عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد اس بات

کی اصولاً پوری گنجائش ہے کہ اسی سرمایے کے ذریعے اسی فریق کے ساتھ نیا کاروباری معاہدہ کیا جاسکے۔ مالکی فقہاء کے حوالے سے جو قاعدہ اوپر نقل کیا گیا ہے وہ بھی اس امر میں مانع نہیں کہ قانونی قبضہ کو عملی قبضے کے ہم معنی سمجھا جائے۔ لیکن مالکی اور شافعی فقہ کے جن مآخذ کی طرف ہم رجوع کر سکے ہیں ان میں اس بات کی اس طرح صراحت نہیں ملتی جس طرح حنفی اور حنبلی مآخذ فقہ میں ملتی ہے۔

آئندہ مباحث میں ہم جس رائے کو اختیار کریں گے وہ وہی ہے جو حنبلی اور حنفی فقہاء نے اختیار کی ہے اور جس کی ہمیں مالکی اور شافعی فقہ کی روشنی میں پوری گنجائش نظر آتی ہے۔ نفع کی آخری تقسیم اور اس سرمایے کے ذریعے نئے کاروباری معاہدے کے لیے سرمایے پر مالک کا قانوناً قبضہ کافی ہے جو اسے اس پر ہر طرح کے تصرف کا اختیار دے دیتا ہو۔ یہی رائے کاروباری کارکردگی اور سہولت کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اس رائے کو اختیار کرنے میں نزاعی صورت حال پیدا ہونے کا امکان نہیں کیونکہ ہم نے حساب فہمی اور نئے کاروباری معاہدے سے پہلے سرمایہ کے نقد کی صورت اختیار کر لینے اور مالک کے زیر تصرف آجانے کو ضروری قرار دیا ہے۔

دورِ جدید میں اکثر کاروباری لین دین بنکوں میں جمع رقوم کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ کسی فرد کے کھاتے میں جو رقم جمع ہے اس پر وہ اس طرح قابض ہے جس طرح اس رقم پر جو اس کے ہاتھ میں ہے۔ اگرچہ یہ قبضہ عملاً نہیں قانوناً ہے۔ ہماری اختیار کی ہوئی رائے کے مطابق اگر ایک فرد کسی بنک کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرے تو اس معاہدے کے اختتام اور نفع کی تقسیم کے لیے یہ کافی ہوگا کہ اصل سرمایہ اس فرد کے کھاتے میں جمع کر دیا جائے۔ اس رقم کو اپنے کھاتے سے نکال کر اپنے ہاتھ میں

لیے بغیر مالک اسی بنک کے ساتھ اسی رقم کے ذریعے ایک نیا معاہدۂ مضاربت کر سکے گا۔ اس کے لیے یہ بھی ممکن ہو گا کہ اس رقم کے ذریعے ایک دوسرے کاروباری فریق کے ساتھ مضاربت یا شرکت کا معاہدہ کرے اور بنک کو ایک چیک کے ذریعے ہدایت کر دے کہ وہ رقم اس نئے کاروباری فریق کی طرف منتقل کر دے۔

تیسرا باب

مشترکہ کاروبار میں کاروباری تصرفات کے حدود

اوپر ہم نے جن احکام کا مطالعہ کیا ہے ان کا تعلق مشترکہ کاروبار میں نفع اور نقصان کی تقسیم سے تھا۔ مشترکہ کاروبار کی صورت میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ شرکار کاروبار کے کاروباری تصرفات کے حدود کیا ہیں۔ وہ عام اور بنیادی کاروباری تصرفات جن کے بغیر کسی کاروبار کا تصور نہیں کیا جاسکتا، کسی بحث کے محتاج نہیں۔ نقد قیمت کے عوض خرید و فروخت کا اختیار اس کی سب سے نمایاں مثال ہے۔ بار برداری کے لیے سواری حاصل کرنا، کرایہ پر دوکان یا کوٹھی اور عمارت حاصل کرنا، اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں اور دیگر کارکنوں کی خدمات حاصل کرنا اور دوسری کاروباری ضروریات کی تکمیل بھی انہی عام اور بنیادی تصرفات میں داخل ہے، جس کا اختیار ہر کاروباری کو ہے۔ خواہ وہ شریک ہو یا مضاربت پر مال لے کر کاروبار کر رہا ہو۔

شرکت ہیں شریک اور مضاربت میں کاروباری فریق کو ادھار مال خریدنے یا فروخت کرنے کا اختیار چند شرائط کے تحت ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ شریک یا کاروباری فریق اگر اس کاروبار میں کسی دوسرے فریق سے شرکت یا مضاربت کے اصول پر مزید سرمایہ حاصل کر کے لگاتا ہے، یا خود اپنا ذاتی سرمایہ بھی شریک

کا روبار کرتا ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے ایسا کرنے کا اختیار کن شرائط کے تحت حاصل ہے۔ دوسرے شرکا۔ یا مضاربت میں صاحب سرمایہ کی اجازت ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی وہ ایسا کر سکتا ہے۔ یہی سوال اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب کوئی فریق شرکت یا مضاربت کا معاہدہ کرنا چاہے ایک علیحدہ مسئلہ شرکت یا مضاربت کے سرمایے میں سے قرض دینے یا قرض کے طور پر سرمایہ حاصل کرکے اسے کاروبار میں لگانے کا ہے۔ آئندہ جن چار اصولوں پر گفتگو کی جائے گی، ان کا تعلق ان ہی تصرفات سے ہے۔

شریک کے کاروباری تصرفات۔

۵۔ ایک شریک دوسرے شرکا کی اجازت سے کاروبار کے لیے دوسرے افراد سے شرکت یا مضاربت کے معاہدے کے تحت مزید سرمایہ حاصل کرسکتا ہے، اور شرکت کے مال کے ایک حصے کو کسی دوسرے فریق کو مضاربت یا شرکت کے معاہدے کے تحت کاروبار کرنے کے لیے دے سکتا ہے۔

اس اصول کا تعلق صرف شرکت سے ہے۔ مضاربت کی صورت میں متعلقہ احکام کا مطالعہ چھٹے اصول کے تحت کیا گیا ہے۔ شرکت کا معاہدہ ہر شریک کو دوسرے شرکا کا ایجنٹ (وکیل) بنا دیتا ہے۔ اسے مشترکہ سرمایہ پر ایسے تصرفات کا حق حاصل ہو جاتا ہے جو مشترکہ کاروبار کے لیے مفید ہوں جن سے کسی شریک کے مفادات نہ مجروح ہوتے ہوں اور جو کاروباری افراد کے درمیان معروف ہوں۔

مشترکہ کاروبار کی جانب سے شرکت یا مضاربت کا اختیار

جہاں تک کسی شریک کے شرکت کے اصول پر کسی نئے فریق سے مزید سرمایہ حاصل کرنے کا سوال ہے، اگر یہ سرمایہ مشترکہ کاروبار میں لگانے کے لیے حاصل کیا گیا ہے تو اس کے معنی شرکت میں ایک شریک کے اضافے کے ہیں۔ یہ اقدام تمام شرکاء کی رضامندی ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ کسی کاروبار میں شریک افراد کو ہر وقت اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ شرکت کے دوسرے شرعی احکام کی پابندی کرتے ہوئے اس کاروبار میں مزید افراد کو شریک کرلیں۔ دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر کسی ایک شریک کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں۔

اگر کسی شریک نے کسی دوسرے فریق کے ساتھ مشترکہ کاروبار کے علاوہ اپنے ذاتی سرمایہ سے ایک نئے کاروبار کے آغاز کے لیے شرکت کی ہے تو اس کی نوعیت مختلف ہے۔ یہ اس شریک کا ایک ذاتی فعل ہے جس کا مشترکہ کاروبار سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مسئلہ دراصل زیر بحث مسئلہ سے براہ راست متعلق بھی نہیں ہے۔ البتہ اگر یہ نیا کاروبار اس شریک کے سابق مشترکہ کاروبار کے سلسلے میں کاروباری جدوجہد پر اثر انداز ہوسکتا ہو تو مسئلے کی نوعیت بدل جائے گی۔ ایسی صورت میں بعض فقہاء نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ ایسا کرنے سے پہلے دوسرے شرکاء سے اجازت حاصل کرلی جائے۔

یہی نوعیت کسی شریک کے مضاربت کے اصول پر کسی نئے فریق سے سرمایہ حاصل کرکے کاروبار کرنے کی ہے۔ اگر یہ سرمایہ مشترکہ کاروبار کی جانب سے اس میں لگانے کے لیے حاصل کیا گیا ہے تو اس میں تمام شرکاء کی رضامندی

ضروری ہے۔ کیونکہ اس معاہدے کی اصل نوعیت یہ ہوگی کہ یہ تمام شرکار کی جانب سے کیا جائیگا۔ مضاربت کے معاہدے کے تحت حاصل کیے ہوئے سرمایہ پر شرکت کے حصے میں جو کچھ نفع آئے گا وہ تمام شرکار کا مشترکہ نفع ہوگا اور ان شرائط کے مطابق تقسیم پائے گا جو ان کے درمیان سے طے پائی ہوں۔

اگر یہ سرمایہ اس شریک نے اپنی ذاتی حیثیت میں حاصل کیا ہو، تو یہ نیا کاروبار اس کا ذاتی کاروبار ہوگا، اور اس معاہدہ مضاربت کے تحت اسے جو نفع ملے گا وہ اس کی ذاتی ملکیت ہوگا۔ دوسرے شرکار کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ البتہ اگر یہ نیا کاروبار مشترکہ کاروبار کے سلسلے میں اس کی کاروباری جدوجہد کو متاثر کرسکتا ہو تو مسئلہ کی نوعیت بدل جائے گی۔ بعض فقہا نے ایسی صورت میں یہ ضروری قرار دیا ہے کہ یہ اقدام دوسرے شرکار سے اجازت حاصل کرکے کیا جائے۔

ذاتی حیثیت میں کسی نئے فریق کے ساتھ شرکت کا اختیار

تمام شرکار کی جانب سے کسی نئے فریق کے ساتھ شرکت یا مضاربت کا معاہدہ کرنے کے اختیار کی دلیل میں کسی نئی فقہی سند کی ضرورت نہیں، اوپر یہ بتایا جاچکا ہے کہ شرکت یا مضاربت کا معاہدہ ایک فرد کی جانب سے بھی کیا جاسکتا ہے اور چند افراد مل کر بھی کرسکتے ہیں۔

ذیل میں جو فقہی عبارتیں نقل کی جائیں گی، ان کا تعلق صرف اس صورت سے ہے۔ جب ایک شریک مشترکہ کاروبار سے علیحدہ ایک نئے کاروبار

کے لیے شرکت یا مضاربت کے اصول پر سرمایہ حاصل کرتا ہے۔ حنفی محقق کاسانی لکھتے ہیں کہ شرکت عنان میں ایک شریک کو :

"یہ اختیار نہیں حاصل ہے کہ وہ کسی دوسرے فریق کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کرے اِلّا یہ کہ اسے (دوسرے شرکار کی جانب سے) اس کی اجازت ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی معاہدہ کے تحت اسی پائے کا معاہدہ کرنے کا اختیار خود بخود نہیں حاصل ہوجاتا۔"[1]

"یہ اس صورت کا حکم ہے، جب ہر شریک نے دوسرے سے یہ نہ کہا ہو کہ تم اپنی صوابدید کے مطابق کاروبار کرسکتے ہو۔ اگر وہ ایک دوسرے سے ایسا کہہ دیں تو دونوں شرکار میں سے ہر ایک کے لیے کاروبار کے اموال کو لے کر سفر کرنا، مضاربت اور شرکت کے معاہدوں کو دوسروں کے ساتھ کرنا اور شرکت کے مال کو اپنے نجی مال میں ملانا اور رہن رکھنا یا رہن کے طور پر کسی چیز کو حاصل کرنا جائز ہوجائے گا۔"[2]

شریک کے کاروباری اختیارات بیان کرتے ہوئے ایک مالکی فقیہ لکھتے ہیں :

"اسے یہ اختیار ہے کہ کسی غیر شریک کے ساتھ کسی متعین کام میں شرکت کا معاہدہ کرے اس طور پر کہ اس فریق کو شرکت

---

[1] کاسانی : بدائع الصنائع جلد ۶ صہ ۶۹

[2] کاسانی : " " " صہ ۷۱

کے سرمایہ پر کوئی تصرف نہ حاصل ہو[1]۔۔۔۔۔"

شافعی اور حنبلی فقہ کے جن مآخذ سے ہم نے استفادہ کیا ہے، ان میں اس مسئلے کے ضمن میں کوئی صراحت نہ مل سکی۔ جیسا کہ اگلی بحث میں واضح کیا جائے گا بعض حنبلی فقہا کے نزدیک مضاربت میں کاروباری فریق کو صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر نیا معاہدہ مضاربت کرنے کا اختیار صرف اسی صورت میں ہے، جب اس نئے کاروبار میں اس کی مصروفیت پہلے کاروبار کے لیے نقصان دہ نہ ہو[2]۔ چونکہ حنبلی مکتب فقہ میں مضاربت اور شرکت عنان میں کاروباری تصرفات سے متعلق احکام میں کوئی فرق نہیں۔ اس لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہوگا، کہ شرکت کی صورت میں بھی ان کی رائے یہی ہے۔ اکثر حنبلی فقہا کے نزدیک ہر شریک کو اپنی ذاتی حیثیت میں کسی نئے کاروبار میں شرکت کا اختیار حاصل ہے البتہ بعض حنبلی فقہا کے نزدیک اگر نئے کاروبار میں اس کی مصروفیت پہلے مشترکہ کاروبار کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہو، تو دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ شافعی مکتب فقہ کا عام مزاج بھی اسی موقف کے حق میں ہے۔ کسی مکتب فقہ کو اس سے اختلاف نہ ہوگا۔ اگر دوسرے شرکاء اجازت دیں تو ایک شریک کو اپنی ذاتی حیثیت میں کسی دوسرے مشترکہ کاروبار میں شرکت کا اختیار ہوگا۔

ہمارے نزدیک صحیح موقف یہ ہے کہ جب تک دوسرے شرکاء کسی شریک

---

[1] احمد الدردیر : الشرح الصغیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۶

[2] ابن قدامہ : المغنی - جلد ۵ صفحہ ۱۹۳

کو منع نہ کریں۔ اسے دوسرے افراد کے ساتھ اپنی ذاتی حیثیت میں شرکت کے نئے معاہدے کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔ حنفی اور مالکی فقہا کا جو مسلک اوپر نقل کیا جا چکا ہے، وہ اسی کی تائید کرتا ہے اور اس میں اس مصلحت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، جس کے تحفظ کے لیے بعض حنبلی فقہا بعض حالات میں اجازت ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہی موقف اس اصول کے مطابق بھی اختیار کیا جانا چاہیئے کہ کوئی معاہدہ، معاہدہ کرنے والوں کو ان کی اس آزادیٔ کاروبار سے نہیں محروم کر سکتا، جو جو اس معاہدے کے دائرے کے باہر انہیں حاصل ہیں۔ اگر مشترکہ کاروبار میں شرکاء کی کاروباری ذمہ داریاں معلوم اور متعین ہوں تو یہ شبہ بھی کمزور پڑ جاتا ہے کہ ایک شریک کی کسی نئے کاروبار میں شرکت پہلے مشترکہ کاروبار میں اس کی جدوجہد کو متاثر کرے گی۔

اگر دوسرے شرکاء کو اس بات پر اصرار ہے کہ ان کے ایک شریک کی کسی نئے کاروبار میں شرکت ان کے مشترکہ کاروبار کے لیے مضر ہو گی تو اس شریک کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا کہ وہ یا تو اس شرکت سے علیحدگی اختیار کرے یا نئے کاروبار میں شرکت کا ارادہ ترک کر دے۔

مضاربت کے طور پر سرمایہ حاصل کر کے ذاتی کاروبار

احناف کے نزدیک ہر شریک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دوسرے افراد سے مضاربت کے اصول پر سرمایہ حاصل کر کے اس سے ذاتی کاروبار کرے۔ ایسا کرنے کے لیے وہ دوسرے شرکاء کی اجازت کا محتاج نہیں۔

"اسے یہ حق حاصل ہے کہ مضاربت پر مال حاصل کرے۔ اس مال

کا نفع اسی کے لئے مخصوص ہوگا۔ کیونکہ مضاربت پر مال حاصل کرنے والے کو نفع اس کے کاروباری عمل کی بنا پر ملتا ہے لہذا یہ نفع اسی کا ہوگا۔ جیسے اس صورت میں جب یہ شخص کسی دوسرے کا کام اُجرت کے عوض کرے (یہ اجرت اسی کو ملے گی) اس میں شرکار کا حصہ نہ ہوگا"[1]

اس بات کی توجیہہ کہ مضاربت پر مال حاصل کر کے کاروبار کرنے کا اختیار دوسرے شرکار کی اجازت کا محتاج نہیں اگرچہ شرکت کرنے کے لئے اجازت درکار ہے، سرخسی نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"شرکت اور مضاربت کے درمیان اس تفریق کا سبب یہ ہے کہ کسی معاہدے سے خود بخود یہ اختیار حاصل ہوجاتا ہے کہ اس سے کم درجے کے معاہدے کیے جاسکیں۔ کسی چیز کے تحت وہی چیز داخل ہوسکتی ہے جو اس سے کم درجے کی ہو، نہ کہ وہ جو اس سے اونچے درجے کی ہو۔ مضاربت کا درجہ شرکت سے کم ہے"[2]

مالکی فقہا کے نزدیک بھی مضاربت کرنے کے لیے شرکار کی اجازت حاصل کرنا صرف بعض مخصوص حالات میں ضروری ہے۔

"دونوں شرکار میں سے جو بھی مضاربت پر سرمایہ حاصل کرے۔ یعنی کسی سے اس شرط پر سرمایہ حاصل کرے کہ اس کے ذریعے مضاربت کے طور پر کاروبار

---

[1] کاسانی : بدائع الصنائع ۔ جلد ۶ ۔ ص ۶۹

[2] سرخسی :۔ المبسوط : جلد ۱۱ ۔ ص ۱۷۶

کرے گا۔ اس نفع کے عوض جو صاحب سرمایہ نے اسے دینا طے کیا ہو، وہ شریک اس سرمایہ کا خود ہی ذمہ دار ہوگا خواہ یہ اقدام اس نے اپنے شریک کی اجازت سے کیا ہو۔ کیونکہ مضاربت کا یہ سرمایہ شرکت سے باہر ہے ایسا کرنا ہر شریک کے لیے جائز ہوگا، اگر دوسرا شریک ایسا کرنے کی اجازت دے دے یا کاروبار مضاربت میں اس کی مشغولیت کاروبار شرکت میں مخل نہ ہو" لہ

جیسا کہ دردیر کے شارح شیخ احمد الصاوی نے واضح کر دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کاروبار مضاربت میں مشغولیت کاروبار شرکت میں مخل نہ ہو تو ایک شریک دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر بھی مضاربت پہ سرمایہ حاصل کر کے نیا کاروبار شروع کر سکتا ہے۔ لہ

اگرچہ حنبلی مآخذ میں اس ذیل میں بھی کوئی صراحت نہیں مل سکی ہے لیکن یہ کہنا درست ہوگا کہ اس مسئلے میں بھی ان کی رائے وہی ہے جو اوپر شرکت کے سلسلے میں بیان کی گئی ہے۔ شافعی کتب فقہ کے جن مآخذ سے ہم نے استفادہ کیا ہے۔ ان میں بھی کوئی صراحت نہ مل سکی۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر دوسرے شرکاء اجازت دیں تو، ہر کتب فقہ کے نزدیک ایک شریک کو کسی نئے شریک سے مضاربت کے اصول پر سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کرنے کا اختیار ہوگا۔ البتہ اگر شرکاء کو یہ اصرار ہو کہ یہ نیا کاروبار اس شریک کی اس کاروباری جدوجہد پر برا اثر ڈالے گا جو اسے مشترکہ

لہ احمد الدردیر: الشرح الصغیر۔ جلد ۲ صفحہ ۱۵۷

لہ شیخ احمد الصاوی: بلغۃ السالک لاقرب المسالک۔ جلد ۲ صفحہ ۱۵۷

کاروبار کے لیے انجام دینی چاہیئے اور اس بنیاد پر وہ اسے ایسا کرنے سے منع کریں تو اسے یا تو اس اقدام سے باز آنا ہوگا، یا مشترکہ کاروبار سے علیحدگی اختیار کرنی ہوگی۔

اگر ایک شریک اس سرمایے کے علاوہ جو معاہدۂ شرکت کے وقت اس نے مشترکہ کاروبار میں لگایا تھا، اس کاروبار میں مزید ذاتی سرمایہ لگانا چاہے تو ظاہر ہے کہ اس کی نوعیت مشترکہ سرمایے میں اس شریک کے حصے میں اضافے کی ہوگی۔ ایسا تمام شرکا کی اجازت سے ہی کیا جا سکے گا۔ یہ کوئی قابل بحث مسئلہ نہیں کیونکہ اس کا حکم بالکل واضح ہے۔ اگر دوسرے شرکا اس بات پر راضی ہوں کہ ایک شریک مزید سرمایہ لگائے اور سرمایہ میں اس اضافے کی روشنی میں نفع کی تقسیم کے طے شدہ اصول یا کسی نئے اصول پر سب کا اتفاق ہو تو ایسا کیا جا سکے گا۔

مشترکہ سرمایہ کو شرکت کے اصول پر دینے کا اختیار

کیا ایک شریک شرکت کے سرمایے کے ایک حصے کو کسی نئے فریق کے ساتھ اس کے کاروبار میں شرکت کے لیے استعمال کر سکتا ہے؟ یہ مسئلہ ان مسائل سے مختلف ہے جن پر اوپر گفتگو کی جا چکی ہے۔ اکثر فقہا کے نزدیک کوئی شریک دوسرے شرکا کی اجازت کے بغیر یہ اقدام نہیں کر سکتا۔ البتہ مالکی فقہا کے نزدیک چند شرائط کے ساتھ ہر شریک یہ اقدام کر سکتا ہے۔ دوسرے شرکا کی اجازت ضروری نہیں۔ ان کا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ سرمایہ کے کسی حصے کی حد تک شرکت مفاوضت یا شرکت عنان کے اصول پر کسی دوسرے فریق کے ساتھ معاہدہ کر لے۔ اس طور پر کہ اس نئے شریک کو صرف اس کام کا حق حاصل ہو جو اس

نے متعین کر دیا ہو۔ اگر یہ نیا فریق پہلے شریک کی اجازت کے بغیر کاروبار کے جملہ اموال میں تصرف کرنے لگے تو یہ درست نہ ہو گا۔" [1]

"اسے یہ اختیار ہے کہ کسی متعین کام میں کسی اجنبی کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کرے۔ اس طور پر کہ اس اجنبی کو پہلے مشترکہ کاروبار میں دخل نہ حاصل ہو۔" [2]

حنبلی فقہا کے نزدیک دوسرے شرکار کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کیا جا سکتا۔

"اسے یہ اختیار نہیں کہ شرکت کے سرمایہ کے ذریعہ کسی دوسرے کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کرے نہ یہ اختیار ہے کہ اس سرمایہ کو مضاربت کے طور پر کسی دوسرے کو دے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اس سرمایہ میں نئے حقوق واجب ہوتے ہیں اور اس کے نفع میں دوسروں کا حق ہو جاتا ہے۔ ایک شریک کو اس طرح کے حقوق لازم کرنے کا اختیار نہیں۔" [3]

اور اگر دوسرا شریک اس سے یہ کہہ دے کہ اپنی رائے کے مطابق کاروبار کرو تو اس کے لیے جملہ کاروباری تصرفات جائز ہو جائیں گے یعنی کسی سے بلامعاوضہ کاروبار کرانا اس سرمایہ کو مضاربت کے طور

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳ صد ۱۱ا

[2] احمد الدردیر: الشرح الصغیر۔ جلد ۲ صد ۱۵۶

[3] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ صد ۱۳۰

پر دینا، اس کے ذریعے شرکت کرنا، اس کو اپنے سرمایہ میں ملا کر کاروبار کرنا اس کو لے کر سفر کرنا، اس کو امانت کے طور پر رکھنا اور ادھار فروخت کرنا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"[1]

حنفی فقہاء کے نزدیک بھی کوئی شریک دوسرے شرکار کی اجازت کے بغیر شرکت کے سرمایہ سے کسی نئے فریق کے ساتھ شرکت کا معاہدہ نہیں کر سکتا کیونکہ ان کے نزدیک شرکت کا معاہدہ ہر شریک کو دوسرے افراد سے صرف ایسے معاہدے کرنے کا حق دیتا ہے جو شرکت سے کم درجہ کے ہوں۔ شرکت کرنے کا حق نہیں دیتا۔[2]

شافعی فقہ کے جن مآخذ کا ہم نے مطالعہ کیا ہے ان میں اس مسئلے کے بارے میں کوئی صریح بیان نہ مل سکا۔

جن فقہاء نے دوسرے شرکار کی اجازت کے بغیر یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ ایک شریک مشترکہ سرمایہ کے ایک حصے سے کسی نئے فریق کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کرے ان کی رائے اسی دلیل پر مبنی ہے جو ابن قدامہ نے دی ہے۔ مالکی فقہاء نے چند شرائط کے ساتھ یہ اختیار اس لئے دیا ہے کہ شرکت میں ہر شریک کو ایسے کاروبار کا حق حاصل ہے جو نفع آور ہو، اور کسی نئے فریق کے ساتھ شرکت کا معاہدہ بھی نفع کمانے کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ دلیل بھی وزنی ہے لیکن ہم آئندہ مباحث میں

---

[1] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ ص ۱۳۲

[2] سرخسی: المبسوط جلد ۱۱ ص ۱۷۶

وہی موقف اختیار کریں گے جو ابن قدامہ نے اختیار کیا ہے۔ شرکار کے درمیان نزاع کا سد باب کرنے اور مشترکہ کاروبار کے مفادات و مصالح کے تحفظ کے لیے یہ طریقہ زیادہ موزوں ہوگا کہ مشترکہ سرمایہ کے ذریعے کسی نئے فریق کے ساتھ شرکت کرنے سے پہلے ایک شریک کے لیے دوسرے شرکار کی اجازت حاصل کرنا ضروری قرار دیا جائے۔ خواہ یہ اجازت عام ہو یا مخصوص طور پر ہر ایسے اقدام کے لئے علیحدہ سے حاصل کی جائے۔

جہاں تک اس نئی شرکت کے ذریعے حاصل ہونے والے نفع یا اس میں ہونے والے خسارے کا سوال ہے، تمام فقہار اس امر پر متفق ہیں کہ وہ اصل شرکت کے حساب میں داخل سمجھا جائے گا جس کے سرمایہ کو اس نئی شرکت میں لگایا گیا ہے۔

مشترکہ سرمایے کو مضاربت کے طور پر دینے کا اختیار

احناف کے نزدیک ہر شریک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ شرکت کے سرمایے کا ایک حصہ کسی دوسرے فریق کو مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لیے دے۔ کاروباری فریق سے جو نفع حاصل ہوگا وہ مشترکہ کا نفع متصور ہوگا اور اگر نقصان ہوا تو وہ بھی مشترکہ کاروبار کے سرمایے میں ہوگا۔ یہ اختیار دوسرے شرکار کی اجازت کا پابند نہیں، البتہ وہ کسی شریک کو ایسا کرنے سے روک سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر شریک دوسرے شرکار کا وکیل ہے اور وکیل کو متعین تصرفات سے روکا جا سکتا ہے۔

"ہر شریک کو یہ حق حاصل ہے کہ . . . . . سرمایہ کو مضاربت کے اصول پر دوسروں کو دے کیونکہ مضاربت شرکت سے نچلے درجے کا

معاہدہ ہے لہذا معاہدہ شرکت میں خود بخود ایسا کرنے کی اجازت مضمر ہے۔"[1]

"ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ شرکت عنان میں ہر شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ ..... شرکت کے سرمایے کو مضاربت کے اصول پہ دوسروں کو دے۔ اگرچہ اس کے شریک نے اسے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی ہو۔"[2]

مالکی فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ

"اسے یہ حق حاصل ہے کہ (شرکت کے) سرمایے کا ایک حصہ کسی فریق کو مضاربت کے اصول پر دے، بشرطیکہ سرمایہ اتنا زیادہ ہو کہ ایسا کرنے کی گنجائش ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو اسے اپنے شریک کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے کا حق نہ ہوگا۔"[3]

"وہ مضاربت کر سکتا ہے اس طور پر کہ سرمایہ کو دوسرے فریق کو بطور مضاربت دے بشرطیکہ سرمایہ میں اتنی گنجائش ہو، ورنہ ایسا نہیں کرے گا۔ .....[4]

---

[1] مرغینانی: ہدایہ۔ جلد ۲ کتاب الشرکۃ

[2] سرخسی: المبسوط جلد ۱۱ صـ ۱۷۵۔ نیز ملاحظہ ہو کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ صـ ۶۹

[3] عبدالرحمن الجزیری - الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳ صـ ۱۱۷

[4] احمدالدردیر: الشرح الصغیر جلد ۲ صـ ۱۵۶

جیسا کہ ابن قدامہ کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے۔ حنبلی مکتب فقہ کے نزدیک کسی شریک کو دوسرے شرکا کی اجازت کے بغیر یہ اختیار نہیں کہ وہ شرکت کے سرمایہ میں سے ایک حصہ مضاربت کے طور پر دے سکے۔ البتہ ایسے اقدام کی مخصوص طور پر اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں بلکہ کاروباری تصرفات کی عام اجازت کافی ہے۔[۱]

شافعی مسلک کی وضاحت میں ہمیں اس سے زیادہ صراحت نہ مل سکی کہ ہر شریک کو ایسے تصرفات کا حق حاصل ہے جو مشترکہ کاروبار کی مصلحت کے مطابق ہوں۔

اس مسئلے کے ضمن میں بھی ہمارا موقف وہی ہے جو ہم نے شرکت کے سلسلے میں اختیار کیا ہے۔ یعنی ایک شریک شرکت کے سرمایہ کو مضاربت کے طور پر کسی دوسرے فریق کو اسی وقت دے سکتا ہے جب اسے اپنے شرکاء سے ایسا کرنے کی عام یا مخصوص اجازت مل چکی ہو۔ اگر وہ اسے ایسا کرنے سے روکنا چاہیں، تو روک سکتے ہیں۔ اس موقف کو اختیار کرنے کا سبب وہی ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر شریک کے شرکت کرنے کے حق کے سلسلے میں کیا ہے۔ یعنی شرکاء کے درمیان باہمی نزاعات کا سدباب اور مشترکہ کاروبار کے مفادات کا تحفظ۔

مذکورہ بالا مسائل کے ضمن میں ہمارے مختار مسلک کے مطابق اگر شرکت کا معاہدہ کرتے وقت شرکاء نے ایک دوسرے کو جملہ کاروباری تصرفات کی اجازت دی ہو تو ہر شریک کو دوسرے افراد سے شرکت یا مضاربت کے معاہدے کرنے

[۱] ابن قدامہ: المغنی - جلد ۵ ص ۱۳۲

کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ الگ سے ان اقدامات کی اجازت حاصل کرنا ضروری نہ ہوگا۔ اگر معاہدہ میں یہ اجازت عام شامل نہ ہو تو ہر ایسے اقدام سے پہلے تمام شرکاء کی اجازت ضروری ہوگی۔

شرکت کا معاہدہ کرتے وقت شرکاء ایک دوسرے کی کاروباری صلاحیتوں پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کے بارے میں ان کا اعتماد اس بات کا محرک بنتا ہے کہ وہ مشترکہ کاروبار کریں۔ مضاربت یا شرکت کے ذریعے مشترکہ سرمایہ کے ایک حصے کو کسی دوسرے کاروباری فریق کے تصرف میں دینا ایک ایسا فیصلہ ہے جو اس کاروباری فریق کی صلاحیتوں پر اعتماد کی بنیاد پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اگر معاہدۂ شرکت عام اجازت کے ساتھ کیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شریک کو دوسرے کی کاروباری صلاحیتوں پر بھروسے کے ساتھ اس بات پر بھی اعتماد ہے کہ وہ مضاربت اور شرکت کے لیے نئے کاروباری فریقوں کا اچھا انتخاب بھی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر معاہدہ اس اجازت عام کے ساتھ نہیں کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ شرکاء ایک دوسرے پر اس درجہ اعتماد کے لیے تیار نہیں۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ مشترکہ سرمایہ کو کسی نئے کاروباری فریق کے زیر تصرف دینے سے پہلے تمام شرکاء اس کی کاروباری صلاحیتوں کے بارے میں اطمینان کر لیں، کیونکہ اس کی کامیابی و ناکامی ہر شریک کے مفادات پر اثر انداز ہوگی۔

مشترکہ سرمایہ کو ذاتی سرمایہ کے ساتھ ملا کر کاروبار کرنا۔

اگر ایک شریک مشترکہ کاروبار کے علاوہ کچھ ذاتی کاروبار بھی کر رہا ہے

تو یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسے دونوں کاروباری سرمایوں کو ملانے اور بسا اوقات دونوں کاروباروں کو ملا جلا کر کرنے کا اختیار ہوگا۔ فقہا کی تصریحات کی روشنی میں اس سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ دوسرے شرکار کی عام اجازت یا مخصوص طور پر ایسا کرنے کی اجازت کے بغیر کسی شریک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مشترکہ کاروبار کو اپنے ذاتی کاروبار میں ملائے۔ باہمی نزاع سے بچنے کیلیے ضروری ہے کہ عام طور پر نجی کاروبار اور مشترکہ کاروبار کو علیحدہ رکھا جائے۔ لیکن چونکہ بعض اوقات عملاً ایسا کرنا دشوار ہوسکتا ہے، یا ملا جلا کر کاروبار کرنے میں مشترکہ کاروبار اور ذاتی کاروبار دونوں کو بعض اخراجات کاروبار میں کفایت ہوسکتی ہے۔ لہذا اجازت کیساتھ ایسا کرنے کی گنجائش بھی رہنی چاہیئے

اسی بحث میں کاسانی[1] اور ابن قدامہ[2] کے حوالے سے جو عبارتیں نقل کی جاچکی ہیں۔ وہ مذکورہ بالا بیان کی تائید کرتی ہیں۔ مالکی فقہا نے مضاربت کی بحث میں یہ صراحت کی ہے کہ کاروباری فریق کو مضاربت کا سرمایہ اپنے ذاتی سرمایہ میں ملانے اور دونوں کاروباروں کو ملا جلا کر کرنے کا اختیار حاصل ہے اس کے لیے مالک کی اجازت ضروری نہیں[3]

شرکت کی بحث میں اس ضمن میں ہمیں کوئی صراحت نہ مل سکی۔ قیاس یہی ہے کہ اس صورت میں بھی ان کی رائے یہی ہوگی۔ شافعی فقہ کے جن مآخذ

---

[1] بدائع الصنائع جلد ۶ صـ۷۱۔ اسی صفحے پر کاسانی نے اس امر کی صراحت بھی کر دی ہے کہ دوسرے شرکار کی اجازت کے بغیر کسی شریک کا مال اپنے نجی مال میں ملانے کا حق نہیں حاصل ہے۔

[2] المغنی: جلد ۵ صـ۱۳۲

[3] احمد الدردیر: الشرح الصغیر جلد ۱ صـ۲۳۱

کا ہم نے مطالعہ کیا ہے۔ ان میں بھی اس مسئلے کے ضمن میں کوئی صراحت نہ مل سکی۔

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر شرکت کا معاہدہ کرتے وقت تمام شرکاء ایک دوسرے کو جملہ کاروباری تصرفات کی اجازت دے دیں، تو ہر شریک کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ وہ دوسرے افراد سے شرکت اور مضاربت کے اصول پر مزید سرمایہ حاصل کرکے مشترکہ کاروبار میں لگائے اور مشترکہ سرمایہ کے ذریعے دوسروں کے ساتھ شرکت اور مضاربت کے معاہدے کرے۔ اس اجازت کے باوجود شرکاء کسی ایک شریک کو کسی ایسے اقدام سے روک سکتے ہیں جو ان کے نزدیک مشترکہ کاروبار کے لیے مضر ہو۔ عام اجازت کی عدم موجودگی میں ہر شریک کو مذکورہ بالا اقدامات سے پہلے دوسرے شرکاء کی اجازت حاصل کرنی ہوگی۔

کاروباری فریق کے تصرفات

۱۸۔ مضاربت کے معاہدے کے تحت سرمایہ حاصل کرکے کاروبار کرنے والا فریق سرمایہ کے مالک کی اجازت عام کے تحت، یا مخصوص طور پر اس امر کی اجازت حاصل کرکے، کاروبار مضاربت میں اپنا ذاتی سرمایہ بھی شامل کر سکتا ہے، اور دوسرے افراد سے مضاربت یا شرکت کے معاہدے کے تحت مزید سرمایہ حاصل کرکے بھی کام میں لا سکتا ہے۔ اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ مالک کی اجازت سے مضاربت کے مال کو کسی دوسرے فریق کو مضاربت کے معاہدے کے تحت کاروبار کے لیے دے یا اس مال کے ذریعے کسی دوسرے کے

ساتھ شرکت کا معاہدہ کرے۔

مذکورہ بالا احکام پر چاروں مکاتب فقہ کا اتفاق ہے۔ البتہ ایک روایت کے مطابق شافعی مسلک یہ ہے کہ مالک کی اجازت کے بعد بھی کاروباری فریق دوسرے افراد کے ساتھ شرکت نہیں کر سکتا، نہ مضاربت کے سرمایہ کو مضاربت کے اصول پر کسی دوسرے فریق کو دے سکتا ہے۔ مختلف مکاتب فقہ کے مسالک کے مستند بیانات درج ذیل ہیں:

حنفی مسلک یہ ہے کہ کاروباری فریق کو مضاربت کا سرمایہ اپنے سرمایے میں ملا کر کاروبار کرنے یا مضاربت کے طور پر دینے یا شرکت کے لیے استعمال کرنے کا اختیار سرمایہ کے مالک کی اجازت کے بغیر نہیں مل سکتا۔

"تصرفات کی اس قسم میں جس کا اختیار مضاربت پر سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کرنے والے کو اس سے حاصل ہو جاتا ہے کہ اس سے یہ کہہ دیا جائے کہ تم اپنی صوابدید کے مطابق کام کرو، خواہ صراحت کے ساتھ ان تصرفات کا ذکر نہ آئے۔ مضاربت، شرکت، اور (مضاربت کے سرمایہ کو) اپنے مال میں ملانا شامل ہے۔ اگر صاحب سرمایہ اس سے یہ کہہ دے کہ تم اپنی صوابدید کے مطابق کام کرو...... تو اسے یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ مضاربت کا سرمایہ بطور مضاربت کسی دوسرے کو دے یا مضاربت کے سرمایہ سے کیے جاتے والے کاروبار میں کسی دوسرے فریق کو شرکت عنان کی بنیاد پر شریک بنائے یا مضاربت کے سرمایہ کو اپنے ذاتی سرمایہ میں ملا کر کاروبار

کرے [1]۔"

اس ضمن میں کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ احناف کے نزدیک :

" اگر کسی ملک میں عام رواج ہو کہ مضاربت پر سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کرنے والے اپنا ذاتی مال مضاربت کے مال میں ملا کر کاروبار کرتے ہوں ، اور اصحاب سرمایہ ان کے ایسا کرنے پر راضی ہوں تو اسے صاحب سرمایہ کے یہ کہے بغیر بھی اپنا مال ملا کر کاروبار کرنے کا حق ہوگا کہ تم اپنی رائے کے مطابق کاروبار کر سکتے ہو۔ جب صاحب سرمایہ صراحت سے اجازت دے دے تب تو اسے مذکورہ بالا تمام کاموں کا حق حاصل ہو ہی جائے گا [2]۔"

مالکی فقہا کے نزدیک بھی کاروباری فریق کو مضاربت کا سرمایہ کسی دوسرے فریق کو مضاربت کے طور پر دینے کا اختیار سرمایہ کے مالک کی اجازت سے ہی مل سکتا ہے ۔

" (امام) مالک نے کہا ہے کہ جو شخص کسی سے مضاربت کے طور پر سرمایہ حاصل کرے ۔ پھر صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر اسے کسی دوسرے آدمی کو دے دے تاکہ وہ مضاربت کے طور پر اس کے

---

[1] کاسانی : بدائع الصنائع جلد ۶ صفحہ ۹۵ نیز ملاحظہ ہو۔ ہدایہ جلد ۳ ۔ کتاب المضاربت اور المبسوط جلد ۲۲ صفحہ ۴۰

[2] عبدالرحمٰن الجزیری ، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳ صفحہ ۴۹

ذریعے کاروبار کرے تو وہ اس مال کا ضامن (ذمہ دار) ہوگا۔ اگر اس کے کاروبار کے سبب سرمایہ میں گھاٹا ہو گیا، تو وہ اس کمی کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر نفع ہوا تو سرمایہ کے مالک کو اس کی طے کردہ شرائط کے مطابق نفع میں سے حصہ ملے گا، پھر جس نے عملاً کاروبار کیا ہے اس کو طے شدہ شرط کے مطابق باقی مال میں سے حصہ ملے گا۔[1]

البتہ اسے سرمایہ کے مالک کی اجازت کے بغیر یہ اختیار حاصل ہے، کہ مضاربت کے سرمایہ کو اپنے ذاتی سرمایہ میں ملا کر کاروبار کرے۔

"اور اسے، یعنی مضاربت کے مال کو (دوسرے مال میں) ملانا جائز ہے۔ کاروباری فریق اسے اپنے ذاتی مال میں ملا کر کاروبار کرے تو بھی جائز ہوگا بشرطیکہ صاحب سرمایہ نے از روئے شرط اس پر ایسا کرنا لازم نہ کر دیا ہو۔"[2]

یہی مصنف ان باتوں کا ذکر کرتے ہوئے جن کے مالک کی اجازت کے بغیر کرنے سے کاروباری فریق سرمایہ مضاربت کے نقصان کا ذمہ دار قرار پا جائے گا۔ لکھتے ہیں:

"یا یہ کہ مضاربت کے سرمایہ میں کاروباری فریق صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے فریق کو شریک بنائے۔ خواہ یہ دوسرا

---

[1] امام مالک: موطا، کتاب القراض۔ باب التعدی فی القراض

[2] احمد الدردیر: الشرح الصغیر جلد ۲ ص ۲۴۳

دراصل مالک کے لیے مضاربت پر کاروبار کر رہا ہو۔ ایسی صورت میں کاروباری فریق ضامن (نقصان کا ذمہ دار) ہوگا۔ کیونکہ سرمایہ کے مالک نے اس سرمایہ کے سلسلے میں کسی دوسرے پر اعتماد نہیں کیا تھا؛

...... یا یہ کہ دوسرے کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرے۔ یعنی مضاربت پر حاصل کیے ہوئے سرمایہ یا اس کے ایک حصے کو مالک کی اجازت کے بغیر مضاربت کے اصول پر کسی دوسرے فریق کو دے دے تو وہ ضامن قرار پائے گا۔[۵]

کاروباری فریق کو کاروبار مضاربت میں اپنا ذاتی سرمایہ شامل کرنے کے لیے مالک کی اجازت کا پابند نہ کرنے میں مالکی فقہا نے غالباً اس بات کا لحاظ کیا ہے یہ ایک معروف تجارتی اقدام ہے اور اس سلسلے میں کاروباری فریق کو صاحب سرمایہ کی اجازت کا پابند بنانا اس کے لیے تنگی پیدا کرنے کے مترادف ہوگا۔ حنفی فقہا بھی اس کے لیے اس عام اجازت کو کافی سمجھتے ہیں، جو کاروباری تصرفات کے سلسلے میں صاحب سرمایہ کاروباری فریق کو عطا کرے گا۔

شافعی مسلک کی وضاحت میں امام غزالی کا بیان یہ ہے کہ:

"مضاربت میں کاروباری فریق کو صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے فریق کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ صاحب سرمایہ کی اجازت سے ایسا کرنے کے

۵۔ احمد الدردیر: الشرح الصغیر، جلد ۲ ص ۲۴۳، ۲۴۴

جواز کے بارے میں اختلاف ہے۔"[1]

امام نووی نے صراحت کی ہے کہ:

"اگر کاروباری فریق مالک کی اجازت سے کسی دوسرے فرد کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرے تاکہ اسے کاروبار میں شریک کرکے نفع میں حصہ دار بنا سکے تو زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ اگر مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کیا گیا تو (بالاتفاق) معاہدہ فاسد ہو جائے گا۔"[2]

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ کا بیان بھی یہی ہے کہ شافعی مکتب فقہ میں جس رائے کو ترجیح دی گئی ہے، وہ عدم جواز کی رائے ہے۔ صاحب سرمایہ کی اجازت سے کاروباری فریق کو یہ اختیار نہیں حاصل ہو سکتا کہ وہ اس کا دیا ہوا سرمایہ کسی دوسرے فریق کو مضاربت کے تحت دے۔

لیکن بعض شافعی محققین کے نزدیک کاروباری فریق کو صاحب سرمایہ کی اجازت سے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ سرمایہ کو کسی دوسرے فریق کے ساتھ مضاربت کرنے کے لیے استعمال کرے۔ ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی لکھتے ہیں:

"کاروباری فریق کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے فریق کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرے۔ کیونکہ (سرمایہ مضاربت میں) اس کا تصرف اجازت پر موقوف ہے اور صاحب

---

[1] غزالی: کتاب الوجیز جلد ۱ صـ۲۲۳

[2] نووی: منہاج صـ۶۵

سرمایہ نے اس کے ساتھ نصف نفع خود لینے کی شرط پر مضاربت
کی ہے اور کاروباری فریق نے کسی دوسرے کے ساتھ مضاربت
کر لی اور اس دوسرے فریق نے اپنی ذمہ داری پر اشیاء و اجناس
خریدیں اور ان کی قیمت سرمایۂ مضاربت میں سے ادا کی اور نفع کمایا۔
تو اس نفع کے استحقاق کے بارے میں، ہم ان دو رایوں کی بنیاد
پر رائے دیں گے جو اس شخص کے سلسلے میں ظاہر کی گئی ہے کہ جو
کوئی رقم غصب کرے۔ پھر اپنی ذمہ داری پر مال خریدے اور
اس کے دام غصب کیے ہوئے سرمایہ میں سے ادا کرے اور
نفع کمائے۔ اب اگر ہم ان (امام شافعی) کے قدیم قول کے
مطابق رائے دیں تو سارا نفع سرمایہ کے اصل مالک کا ہوگا۔ اسی
مسئلے میں مزنی نے یہ رائے دی ہے کہ صاحب سرمایہ کو آدھا نفع
ملے گا اور باقی آدھا دونوں کاروباری فریقوں کے درمیان آدھا آدھا
تقسیم پائے گا۔ ہمارے ائمہ اس بارے میں مختلف رائیں رکھتے ہیں
ابو اسحٰق کی رائے یہ ہے کہ مزنی کی یہ رائے صحیح ہے۔ کیونکہ
سرمایہ کا مالک اس پر راضی ہو چکا ہے کہ وہ آدھا نفع لے گا۔ لہذا
اسے اس سے زیادہ پانے کا حق نہیں۔ باقی آدھا دونوں کاروباری
فریقوں کو ملے گا کیونکہ انہوں نے یہ طے کیا تھا جو اللہ دے گا وہ ان
دونوں کے درمیان تقسیم پائے گا اور اللہ نے آدھا نفع دیا ہے۔[۱]

---

[۱] ابو اسحٰق ابراہیم: کتاب المهذب جلد ۱ صفحہ ۳۹

آگے چل کر مصنف نے دوسرے شافعی فقہا کی اختلافی رائیں نقل کی ہیں جن کا مطالعہ ہمارے لیے غیر ضروری ہے۔ اگر ہم مصنف کی رائے کو اختیار کرلیں تو شافعی مکتب فقہ کا یہ مسلک بعینہٖ وہی ہے جو دوسرے مکاتب فقہ نے اختیار کیا ہے۔

جہاں تک شرکت کرنے کے حق کا سوال ہے۔ اس کے بارے میں بھی شافعی فقہا کا مسلک وہی ہو سکتا ہے جو انہوں نے مضاربت کرنے کے حق کے سلسلے میں اختیار کیا ہے۔ لیکن ہمیں اس کی کوئی صراحت نہ مل سکی۔ اسی طرح اس مسئلے کے ضمن میں بھی صریح بیان نہ مل سکا کہ کاروباری فریق مضاربت کے سرمایہ کو اپنے ذاتی سرمایہ میں ملاکر کاروبار کرسکتا ہے یا نہیں۔ شافعی فقہا نے کاروباری فریق کی عام ذمہ داری یہ بتلائی ہے کہ وہ احتیاط کے ساتھ کاروبار کے مفاد کے مطابق تصرفات کرے[1]

اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر صاحب سرمایہ چاہے تو اسے مضاربت کا سرمایہ نجی سرمایہ میں ملاکر کاروبار کرنے سے روک سکتا ہے، ورنہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

حنبلی فقہا کا مسلک بھی وہی ہے جو احناف کا ہے۔ یہ بتانے کے بعد کہ صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر کاروباری فریق کو یہ حق نہیں حاصل ہے ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"اگر صاحب سرمایہ یہ اجازت دے کہ کاروباری فریق اس سرمایہ کو کسی دوسرے فریق کو مضاربت کے طور پر دے سکتا ہے تو ایسا کرنا جائز

---

[1] ابو اسحٰق ابراہیم: کتاب المہذب جلد ۱ ص۳۹۱

ہوگا۔ احمد بن حنبلؒ نے اس کی صراحت کر دی ہے، اور ہمارے علم کی حد تک اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اگر مالک نے اس سے یہ کہا ہو کہ تم اپنی رائے کے مطابق کام کرو یا جیسی اللہ توفیق دے ویسا کرو تو اس کے لیے اس سرمایہ کو مضاربت کے طور پر دینا جائز ہو جائے گا۔[1]

اور اسے یہ اختیار نہیں کہ مضاربت کا مال اپنے ذاتی مال میں ملائے۔ اگر وہ ایسا کرے گا اور دونوں اموال کو علیحدہ کرنا ممکن نہ رہ جائے گا تو وہ ضامن (نقصان کا ذمہ دار) ہوگا۔ کیونکہ وہ (سرمایہ مضاربت) امانت ہے اور اس کی حیثیت امانت رکھے ہوئے مال کی ہی ہے۔ البتہ اگر مالک نے اس سے یہ کہہ دیا ہو کہ تم اپنی صوابدید کے مطابق کاروبار کرنا تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہو جائے گا۔[2]

اور جب ایک آدمی ایک فریق سے مضاربت ذریعہ سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کرنے کا معاملہ کرے تو اس کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ کسی دوسرے فریق کے ساتھ بھی مضاربت پر کاروبار کرنے کا معاہدہ کرے۔ اگر ایسا کرنے میں پہلے فریق (کے سرمایہ سے کیے جانے والے کاروبار) کا نقصان لازم آتا ہو۔ اگر وہ اس کے باوجود ایسا کرے گا اور (دوسرے کاروبار کے ذریعے) نفع کمائے گا تو یہ نفع پہلے مشترکہ کاروبار کے حساب

---

[1] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ ص۱۶۱

[2] ایضاً ایضاً ص۱۶۳

میں داخل کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ جب اس نے ایک آدمی سے مضاربت پر سرمایہ لیا۔ پھر یہ ارادہ کیا کہ دوسرے آدمی سے بھی مضاربت پر سرمایہ حاصل کرے اور پہلے صاحب سرمایہ نے ایسا کرنے کی اجازت دے دی، تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ اگر اس نے اجازت نہیں دی مگر اس اقدام سے اس کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، تو بھی ایسا کرنا جائز ہوگا۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ اگر ایسا کرنے میں پہلے صاحب سرمایہ کا نقصان لازم آتا ہو اور وہ اجازت نہ دے تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ یہ دوسرا سرمایہ بہت زیادہ ہو جس سے کاروبار کے لیے اس کا خاصا وقت درکار ہے جس کے سبب اس کے پہلے کاروبار کے سلسلے میں کچھ کرنے سے قاصر رہ جانے کا اندیشہ ہو، اور پہلا سرمایہ بھی اتنا زیادہ ہو کہ اگر اس کے کاروبار سے کنارہ کر کے دوسرے کاروبار میں مصروف ہو گیا تو بعض ضروری کام رہ جائیں گے۔ مگر اکثر فقہا کی رائے یہ ہے۔ کہ کاروباری فریق کے لیے نیا معاہدہ مضاربت جائز ہوگا۔ کیونکہ مضاربت ایک ایسا معاہدہ ہے جو اس کو اس کاروبار کے جملہ منافع کا مستحق نہیں بناتا۔ اس بنا پر وہ اسے نئی مضاربت سے نہیں روک سکتا، جب اس سے نقصان کا اندیشہ نہ ہو، یا جس طرح اجیر مشترک کو (مثلاً) اجرت پر مزید کام کرنے سے نہیں روک سکتی کہ وہ کسی ایک سے اجرت پر کام لینا طے کر چکا ہے[1]

دوسرا کاروبار کرنے کی آزادی۔

کاروبار مضاربت میں اپنا ذاتی سرمایہ شامل کرنے اور اس سرمایہ میں سے شرکت

---

[1] ابن قدامہ، المغنی جلد ۵ صفحہ ۱۴۳

یا مضاربت کے اصول پر کسی دوسرے فریق کو سرمایہ دینے کے سلسلے میں حنبلی فقہاء کا مسلک وہی ہے جو حنفی فقہاء کا ہے۔ یعنی یہ تمام اقدامات مالک کی اجازت کے بعد ہی کیے جا سکتے ہیں۔ البتہ ابن قدامہ کی مذکورہ عبارت سے ایک نیا مسئلہ سامنے آتا ہے یعنی کاروباری فریق کا یہ اختیار کہ وہ دوسرے اصحاب سرمایہ سے مضاربت کے اصول پر سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کرے۔ ان کے نزدیک ایسا کرنے کے لیے بھی پہلے صاحب سرمایہ کی اجازت ضروری ہے۔ بشرطیکہ نیا کاروبار پرانے کاروبار کے حق میں مضر ہو۔ ابن قدامہ نے خود اس بات کی صراحت کی ہے کہ اکثر فقہا اس صورت میں بھی مالک کی اجازت ضروری نہیں سمجھتے اور کاروباری فریق کو اس بات کے لیے آزاد سمجھتے ہیں کہ وہ دوسرے اصحاب سرمایہ سے مزید سرمایہ حاصل کر کے نیا کاروبار شروع کرے۔ جیسا کہ اس سے پہلے نقل کی ہوئی عبارتوں سے ظاہر ہے۔ حنفی فقہا کی رائے یہی ہے، کیونکہ اس نئے معاہدۂ مضاربت کا سابقہ معاہدہ سے کوئی تعلق نہیں اور سابقہ معاہدہ کاروباری فریق کی کاروباری آزادی نہیں سلب کر سکتا، الا یہ کہ خود اس معاہدے کی رو سے اس نے اپنے کو اس کا پابند کر لیا ہو کہ وہ کسی نئے فریق کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ نہ کرے گا۔[1] مالکی فقہا بھی اس سلسلے میں کاروباری فریق کو پہلے صاحب سرمایہ کی اجازت کا پابند نہیں بناتے۔ جیسا کہ الشرح الصغیر کی محولہ بالا عبارت سے واضح ہے۔ کاروباری فریق کو یہ اختیار ہے کہ وہ مضاربت پر لیے ہوئے سرمایہ کو دوسرے افراد سے حاصل کیے ہوئے سرمایہ میں ملا کر کاروبار کرے۔[2] شافعی فقہاء کے یہاں ہمیں اس ضمن میں کوئی صریح بیان نہ مل سکا لیکن قیاس یہی ہے کہ ان کا مسلک بھی وہی ہوگا جو حنابلہ نے اختیار کیا ہے۔ یعنی اگر نیا کاروبار

---

[1] کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ صفحہ ۹۵

سامان کاروبار کے لیے مضر ہو سکتا ہو تو ایسا کرنے سے پہلے صاحب سرمایہ کی اجازت ضروری ہے۔

اس سلسلے میں صحیح موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کاروباری فریق کو آزاد سمجھا جائے کہ وہ دوسرے افراد سے مضاربت پر سرمایہ حاصل کرکے نیا کاروبار شروع کر سکتا ہے لیکن صاحب سرمایہ کو اس بات کا حق حاصل ہو کہ وہ اگر نئے کاروبار کو اس کاروبار کے لیے مضر سمجھے جو اس کے سرمایہ سے کیا جا رہا ہے تو کاروباری فریق کو ایسا کرنے سے روک سکتا ہے۔ اس کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ مضاربت کا معاہدہ کرتے وقت کاروباری فریق سے یہ طے کر لے کہ وہ اس کاروبار کے دوران کوئی نیا کاروبار نہ شروع کرے گا۔ یہی موقف ہم شرکت کے سلسلے میں بھی اختیار کریں گے۔ مضاربت پر سرمایہ حاصل کرکے کاروبار کرنے کے ساتھ کاروباری فریق کو یہ اختیار رہے گا کہ وہ اپنے ذاتی سرمایہ سے کسی دوسرے کاروبار میں شرکت کر سکے بشرطیکہ صاحب سرمایہ نے معاہدہ کرتے وقت یہ شرط نہ طے کی ہو کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اگر معاہدے کے وقت یہ شرط نہیں طے کی گئی ہے تو بھی صاحب سرمایہ کو اختیار ہوگا کہ اگر نئے مشترکہ کاروبار میں کاروباری فریق کی مصروفیت اس کاروبار کو نقصان پہنچا رہی ہو جو وہ مضاربت کے سرمایہ سے کر رہا تھا تو وہ اسے شرکت کرنے سے منع کر دے۔ اگر کاروباری فریق کو شرکت پر اصرار ہے تو وہ مضاربت کا معاہدہ ختم کر سکتا ہے۔

یہی موقف اس کاروباری آزادی سے ہم آہنگ ہے جو مضاربت کا معاہدہ کرنے سے پہلے کاروباری فریق کو حاصل تھی۔ اگر معاہدہ مضاربت نے کسی شرط کی رُو سے اسے اس آزادی سے محروم کر دیا ہے تو معاہدے کے بعد کاروباری فریق صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر نیا کاروبار شروع نہ کر سکے گا۔ لیکن اگر اس معاہدے میں کوئی ایسی شرط نہیں تھی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس آزادی سے محروم قرار دیا جائے۔ رہا

یہ امکان کہ نیا کاروبار پرانے کاروبار میں کاروباری فریق کی سرگرمی پر اثر انداز ہو کر اسے نقصان پہنچا سکتا ہے تو اس کا عملی شکل اختیار کرنا بہت سے دوسرے حالات پر موقوف ہے۔ مثلاً پرانے کاروبار میں سرمایہ کی مقدار، کاروباری فریق کی صلاحیت کار وغیرہ۔ عام حالات میں ہمیں یہی توقع رکھنی چاہیئے کہ کاروباری فریق پرانے کاروبار کو بھی پوری دلچسپی کے ساتھ انجام دے گا۔ کیونکہ اس کے نفع سے اس کا نفع وابستہ ہے۔ اگر عملاً نئے کاروبار سے پرانا کاروبار قابل لحاظ حد تک متاثر ہوتا نظر آئے یا کاروبار کے آغاز سے پہلے قرائن کی بنا پر صاحب سرمایہ کو اس بات پر اعتماد ہو کہ ایسا ہی ہوگا تو اسے اختیار ہے کہ کاروباری فریق کو نیا کاروبار شروع کرنے سے روک دے۔ اس طور پر حنابلہ نے جو مسلک اختیار کیا ہے اس کی بھی پوری رعایت ہو جاتی ہے اور کاروباری فریق کی آزادی کار بھی محفوظ رہتی ہے۔

کاروبار مضاربت میں ذاتی سرمایہ شامل کرنے کا حق۔

صاحب سرمایہ اور کاروباری فریق کے درمیان نفع نقصان کا ٹھیک ٹھیک حساب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کاروباری فریق اپنے ذاتی سرمایہ کو مضاربت پر حاصل کیے ہوئے سرمایہ میں ملا کر کاروبار کرنے کا اقدام صاحب سرمایہ کے علم و اطلاع کے ساتھ کرے۔ اگر معاہدہ کرتے وقت، یا اس کے بعد، اس علم و اطلاع کے باوجود صاحب سرمایہ اسے ایسا کرنے سے منع نہ کرے تو اسے اجازت کے مترادف سمجھنا چاہیئے۔ البتہ اگر وہ ایسا کرنے سے منع کر دے تو کاروباری فریق کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ ایسا کرنے سے باز رہے یا مضاربت کا معاہدہ ختم کر دے۔ یہ موقف اگرچہ مالکیہ کے مسلک کی طرف زیادہ جھکا ہوا ہے لیکن حنفی مسلک کے بھی

مطابق ہے۔ جیسا کہ الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے مذکورہ بالا حوالے سے واضح ہے[1]

مضاربت کے سرمایہ کو مضاربت پر دینے کا اختیار۔

اس ضمن میں سب سے اہم بحث یہ ہے کہ مضاربت پر سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کرنے والے کو یہ اختیار حاصل ہے کہ نہیں کہ وہ اس سرمایہ کو یا اس کے ایک حصہ کو مضاربت کے طور پر کسی دوسرے فریق کو دے۔ مذکورہ بالا تصریحات سے ظاہر ہے کہ اس بات پر تمام مکاتب فقہ کا اتفاق ہے کہ کاروباری فریق کو یہ اختیار خود بخود نہیں حاصل ہو جاتا، بلکہ اس کے لیے صاحب مایہ کی اجازت ضروری ہے۔ حنفی، مالکی اور حنبلی فقہا کے نزدیک صاحب سرمایہ کی اجازت کے بعد یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ اجازت عام بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ طے پا جائے کہ کاروباری فریق اپنی صوابدید کے مطابق کاروبار کرے گا۔ یا مخصوص طور پر اس اقدام کے لیے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ شافعی فقہا کا ایک اسکول یہ رائے رکھتا ہے کہ کاروباری فریق کو یہ اختیار کسی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو شخص خود مضاربت کے طور پر سرمایہ حاصل کر کے کاروبار کر رہا ہو، اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس سرمایہ کو کسی دوسرے فریق کو مضاربت کے طور پر دے لیکن بعض شافعی فقہا وہی رائے رکھتے ہیں جو جمہور فقہا نے اختیار کی ہے۔ آئندہ مباحث میں ہم اس رائے کو ترجیح دیں گے۔ اس موقف کی دلیل وہی ہے جو فقہائے احناف نے دی ہے۔ کاروبار کا منشا نفع کمانا ہے۔ اگر کاروباری فریق یہ دیکھے کہ

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳ صفحہ ۲۶

نفع کمانے کی بہتر شکل یہ ہے کہ وہ اس سرمایہ کو مضاربت کے طور پر کسی دوسرے فریق کو دے دے تو اسے نفع کمانے کی یہ شکل اختیار کرنے کا حق ملنا چاہیئے۔

درمیانی فریق کا حق نفع

اس صورت میں جسے آئندہ ہم مضاربت در مضاربت کے نام سے یاد کریں گے۔ ایک مخصوص مسئلہ پیدا ہوتا ہے جس پر علیحدہ سے گفتگو ضروری ہے۔ ایک کاروباری فریق ایک صاحب سرمایہ سے مضاربت کے اصول پر سرمایہ حاصل کرتا ہے۔ اس سرمایہ کو وہ ایک دوسرے کاروباری فریق کو مضاربت کے اصول پر دے دیتا ہے۔ پہلا کاروباری فریق جو کاروباری عمل انجام دیتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس نے اپنی صوابدید کے مطابق ایک ایسے کاروباری فریق کا انتخاب کیا ہے جس کے کاروبار کے ذریعے اسے سرمایہ مضاربت پر نفع ملنے کی توقع ہے۔ اس کے علاوہ وہ کوئی اور کاروباری عمل نہیں انجام دیتا۔ جب دوسرے کاروباری فریق کی کاروباری جدوجہد کے نتیجے میں سرمایہ مضاربت پر نفع حاصل ہوتا ہے تو اختتام معاہدے پر کل نفع میں سے، ان تینوں فریقوں —— صاحب سرمایہ، پہلا کاروباری فریق، دوسرا کاروباری فریق —— کے درمیان نفع ان شرائط کے مطابق تقسیم پائے گا، جو ان دونوں معاہدوں میں طے کی گئی ہوں۔ دو صورتیں ممکن ہیں۔ اگر صاحب سرمایہ نے پہلے کاروباری فریق سے یہ طے کیا تھا کہ اس کو جو نفع ہوگا، اس میں سے فلاں نسبت، مثلاً نصف، صاحب سرمایہ کا حق ہوگا تو یہ ایک صورت ہوگی۔ اگر اس نے پہلے کاروباری فریق سے یہ طے

کیا تھا کہ اس سرمایہ سے کئے جانے والے کاروبار کے کل نفع میں سے وہ فلاں نسبت، مثلاً نصف حصہ لے گا تو یہ دوسری صورت ہوگی۔ پہلی صورت میں کل نفع پہلے کاروباری فریق اور دوسرے کاروباری فریق کے درمیان اس نسبت سے تقسیم پائے گا جو ان کے درمیان طے پائی ہے۔ پھر پہلے کاروباری فریق کے حصۂ نفع میں سے صاحب سرمایہ کو اس نسبت کے مطابق حصہ ملے گا جو اس نے طے کی تھی۔ باقی نفع پہلے کاروباری فریق کو ملے گا۔ دوسری صورت میں پہلے کل نفع میں سے صاحب سرمایہ کو اس کی طے کردہ شرط کے مطابق حصہ دیا جائیگا۔ اب اگر دوسرے کاروباری فریق کے ساتھ پہلے کاروباری فریق کا معاہدہ یہ تھا کہ دوسرے فریق کو کل نفع کی ایک متعین نسبت کے مطابق حصہ ملے گا تو ایسا ہی کیا جائیگا۔ اور باقی نفع پہلے کاروباری فریق کو ملے گا[1] اگر دوسرے کاروباری فریق سے یہ معاہدہ کیا گیا ہے کہ کل نفع کا جو حصہ پہلے کاروباری فریق کو ملنے والا ہے اس میں سے وہ ایک متعین نسبت کے مطابق حصہ پائے گا تو اسکے مطابق عمل کیا جائیگا۔

حنفی فقہا نے صراحت کر دی ہے کہ مضاربت در مضاربت کی یہ صورت جائز ہے۔

---

[1] نظری طور پر یہ امکان سامنے رہتے کہ پہلے کاروباری فریق کے لیے کچھ نہ بچے یا اسے کچھ رقم دوسرے کاروباری فریق کو اپنے پاس سے بھی دینی پڑے۔ مثلاً صاحب سرمایہ کے لیے کل نفع کا نصف اور دوسرے کاروباری فریق کے لیے کل نفع کا نصف طے ہے تو پہلے فریق کے لیے کچھ نہ بچے گا۔ صاحب سرمایہ کے لیے نصف اور دوسرے فریق کے لیے دو تہائی طے پایا ہے تو کل نفع کے ۱/۶ کے بقدر رقم پہلے کاروباری فریق کو اپنی جیب سے ادا کرنی ہوگی۔ مگر عملی طور سے یہ بعید از قیاس شکلیں ہیں، لہٰذا ان کے ذکر سے کچھ حاصل نہیں۔

سرخسی نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے اور مضاربت در مضاربت کی مختلف شرائط کے مطابق نفع کی تقسیم کا اصول مثالوں کے ذریعے واضح کیا ہے[1] پہلے کاروباری فریق کو اس صورت میں جو حصہ نفع ملتا ہے اسکے بارے میں وہ لکھتے ہیں :

"یہ اس کے لیے حلال ہے اور اسے مضاربت کے دونوں معاہدے کرنے کی بنا پر ملتا ہے۔ خواہ وہ خود کوئی کاروباری جدوجہد نہ کرے"[2]

اسکی فقہی دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ اگر پہلے کاروباری فریق کی جانب سے کوئی آدمی کسی حصہ نفع یا اجرت کے بغیر کاروباری اعمال انجام دے اور نفع ہو تو اس کو نفع میں سے اس کا طے شدہ حصہ ملے گا۔ اور یہ نفع لینا اس کے لیے حلال ہوگا۔ اگرچہ اس صورت میں بھی اس نے خود کاروباری اعمال نہیں انجام دیئے ہیں۔ تو یہی حکم ہے۔ معلوم ہوا کہ نفع ملنے کی بنیاد معاہدے میں طے شدہ شرط ہے۔ خواہ عملاً کاروباری جدوجہد کی انجام دہی کسی طریقے سے انجام پائے[3]

پہلے کاروباری فریق کے استحقاق نفع کی یہی دلیل کاسانی نے بھی دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"یہ نفع اس کے لیے حلال آمدنی ہوگی کیونکہ دوسرے کاروباری فریق کے انجام دیئے ہوئے کاروباری اعمال اسی کی جانب سے انجام دیئے گئے ہیں۔ گویا کہ اس نے انہیں خود انجام دیا ہو۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی نے کسی

---

[1] سرخسی : المبسوط جلد ۲۲ صفحات ۹۸ تا ۱۰۴

[2] ایضاً ص ۱۰۲

[3] ایضاً ایضاً

آدمی کو ایک درہم اجرت کے عوض ایک کپڑا سینے پر رکھا۔ پھر اس اجیر نے ایک دوسرے آدمی کو اجرت پر رکھا جس نے وہ کپڑا نصف درہم کے عوض سی دیا۔ تو پہلے اجیر کے لیے فاضل رقم (یعنی نصف درہم) حلال آمدنی ہوگی کیونکہ اسکے رکھے ہوئے اجیر نے جو کام کیا، وہ اسی کے لیے کیا گیا ہے گویا کہ اس نے خود ہی وہ کام کر دیا ہو۔۔۔۔[۱]

اس استدلال کے تجزیے سے واضح ہے کہ اصل چیز یہ ہے کہ کاروباری فریق کاروبار کے انجام پانے کی ذمہ داری لے۔ اس ذمہ داری کو وہ خود انجام دیتا ہے یا اپنے ملازمین کے ذریعے یا نفع میں شرکت کی بنیاد پر کسی کاروباری فریق کے ذریعے پورا کرتا ہے۔ یا کوئی فریق کسی اجرت اور حصہ نفع کے بغیر اس کے لیے کاروباری اعمال انجام دیتا ہے۔ اس سے کاروباری فریق کے استحقاق نفع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اپنے اور صاحب سرمایہ کے درمیان طے شدہ شرائط کے مطابق نفع کا مستحق ہوگا۔ اس نفع میں سے وہ کاروباری اعمال انجام دینے والے دوسرے فریق کو طے شدہ شرط کے مطابق حصہ دیگا۔

مالکی فقہا بھی صاحب سرمایہ کی اجازت سے مضاربت در مضاربت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں پہلا کاروباری فریق طے شدہ شرائط کے مطابق نفع میں سے حصہ پائیگا۔ ذیل کی عبارت سے بھی یہی رائے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اس میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ اگر پہلے کاروباری فریق نے صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر دوسرے کاروباری فریق کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کیا تو اسے نفع میں کوئی حصہ نہ ملے گا، اور اگر کاروبار میں نقصان ہوا، تو وہ اس کا ذمہ دار ہوگا۔

---

[۱] کاسانی: بدائع جلد ۶ ص ۹۶

"اگر اس نے مضاربت کی، یعنی مضاربت کے سرمایہ یا اس کے کسی حصے کو مضاربت کے طور پر دے دیا، صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر تو وہ ذمہ دار قرار پائے گا ...... اس صورت میں نفع ان دونوں فریقوں کے درمیان تقسیم پائے گا یعنی صاحب سرمایہ اور دوسرا کاروباری فریق جو سرمایہ کو کام میں لایا ہے، اور پہلے کاروباری فریق کے لیے نفع میں کوئی حصہ نہیں ہوگا کیونکہ اس نے صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر اسے دوسرے کاروباری فریق کو دے کر زیادتی کی ہے"[1]۔

اس عبارت کے آخری جملے سے واضح ہے کہ صاحب سرمایہ کی اجازت ہو تو مضاربت در مضاربت کی صورت میں پہلا کاروباری فریق یعنی جو خود کاروبار نہیں کرتا، نفع کا مستحق ہوگا۔

جو شافعی فقہا مضاربت در مضاربت کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک پہلا کاروباری فریق طے شدہ شرائط کے مطابق نفع پائے گا۔ یہ بات کتاب المہذب کی محولہ بالا عبارت سے واضح ہے[2]۔ کیونکہ دی ہوئی مثال میں صراحت موجود ہے، کہ سرمایہ سے اشیاء و اجناس خریدنے اور ان کو فروخت کرنے کا کام صرف دوسرا کاروباری فریق کرتا ہے۔

حنبلی محقق ابن قدامہ مضاربت در مضاربت کا جواز بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

" پہلا کاروباری فریق صاحب سرمایہ کے ایجنٹ و وکیل کی حیثیت سے

---

[1] شیخ احمد الصاوی: بلغۃ السالک لاقرب المسالک جلد ۲ صفحہ ۲۲۲

[2] ابو اسحٰق ابراہیم ابن یوسف فیروزآبادی: کتاب المہذب جلد ۱ صفحہ ۳۹۰

> یہ کام کرے گا۔ چنانچہ اگر اس نے سرمایہ کو کسی تیسرے آدمی کو دے دیا اور خود اپنے لیے کوئی نفع طے نہیں کیا، تو یہ معاہدہ درست ہوگا۔ اگر اس نے اپنے لیے بھی نفع میں ایک حصہ طے کیا تو درست نہ ہوگا، کیونکہ اس کی جانب سے نہ سرمایہ لگایا گیا ہے نہ وہ کاروباری اعمال انجام دے رہا ہے اور نفع کا استحقاق انہی دو بنیادوں میں سے کسی پر ہوتا ہے[۱]۔

اس بیان کے مطابق ہماری دی ہوئی مثال میں پہلے کاروباری فریق کو نفع میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ ابن قدامہ نے اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ یہ فریق کاروباری اعمال نہیں انجام دیتا لیکن یہ دلیل زیادہ وزن نہیں رکھتی۔ کاروباری اعمال صرف محنت اور دوڑ دھوپ کا نام نہیں ہے بلکہ اہم کاروباری فیصلے بھی کاروباری اعمال میں داخل ہیں اور اکثر اوقات یہ فیصلے کاروبار کے نتیجے کے لیے زیادہ اہم ہوتے ہیں، بہ نسبت اس جسمانی محنت کے جو کاروباری فریق کاروبار کے سلسلے میں انجام دیتا ہے۔ کاروباری فریق جب یہ فیصلہ کرتا ہے کہ نفع کمانے کی بہتر شکل یہ ہے کہ اس سرمایہ کے ذریعے کسی صاحب صلاحیت کاروباری فریق کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کر لیا جائے تو وہ ایک اہم کاروباری عمل انجام دیتا ہے۔

اگر کاروباری اعمال کا وہ سادہ تصور ہی سامنے رکھا جائے جس میں خرید و فروخت اور وقت اور محنت چاہنے والی دوسری سرگرمیاں شامل ہیں تو بھی پہلے کاروباری فریق کو ملنے والے نفع کی وہ توجیہہ کافی ہے جو سرخسی اور کاسانی اور دوسرے حنفی فقہا نے پیش کی ہے یعنی یہ کہ دوسرا کاروباری فریق جو کاروباری اعمال انجام دیتا ہے ان کی حیثیت پہلے کاروباری فریق کی جانب سے کرائے ہوئے کاروباری اعمال کی ہے۔

[۱] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ ص ۱۶

اس مسئلے پر ایک اور زاویۂ نگاہ سے غور کرنا مفید ہوگا۔ جس کی طرف ہم نے پہلے باب میں اشارہ کیا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی نہ سرمایہ رکھتا ہے، نہ اتنی فرصت کہ اپنا وقت لگا کر محنت طلب کاروبار کرے لیکن اپنی کاروباری سوجھ بوجھ اور تجربے کی بنیاد پر وہ اس کی بہت عمدہ صلاحیت رکھتا ہے کہ سرمایے کو اچھے کاروباری فریقوں کو مضاربت پر دینے کا کام کر سکے۔ اس کی خصوصی صلاحیت کاروباری فریق کے انتخاب کی صلاحیت ہے۔ مضاربت در مضاربت کی وہ صورت جس کے جواز کی وضاحت حنفی فقہا نے کی ہے یہ ممکن بنا دیتی ہے کہ اصحاب سرمایہ کو ایسے ماہرین کا تعاون حاصل ہو سکے۔ صاحب سرمایہ اور ایسے افراد کا تعاون عملاً کاروبار کرنے والے افراد کے لیے سرمایہ کی فراہمی کو سہل بنا دیتا ہے اور مضاربت در مضاربت کا معاہدہ تینوں فریقوں کے مصالح کی ترویج کرتا ہے۔ شریعت نے جسطرح اصحاب سرمایہ اور کاروبار کر سکنے والے افراد کے درمیان تعاون کے لیے مضاربت کی صورت کو جائز رکھا ہے، اسیطرح اصحاب سرمایہ، ماہرین انتخاب اور کاروبار کر سکنے والے افراد کے درمیان تعاون کے لیے مضاربت در مضاربت کی صورت کو جائز قرار دینا چاہیئے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نفع آور کاروباری جدوجہد کی نوعیت اور ماہیت پر بحث کرنے والے معاشی ماہرین نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ اہم ترین کاروباری فیصلے ایسے افراد کے انتخاب میں مضمر ہیں جن کے سپرد کاروبار کو عملاً انجام دینے کا کام کیا جا سکے۔ کاروبار کر سکنے والے افراد کا انتخاب جدید معیشت میں کاروباری جدوجہد[۱]

---

[۱] فرینک ایچ نائٹ: خطر، عدم تیقن اور نفع: ابواب ۱۱ تا ۱۳

(Enterprise) کا جوہر ہے۔

ہمارے نزدیک مضاربت در مضاربت کے جواز، اور درمیانی فریق کے استحقاق نفع کے سلسلے میں حنفی فقہا نے جو مسلک اختیار کیا ہے، وہ زیادہ صحیح اور دورِ جدید کے معاشی تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ مالکی اور ایک رائے کے مطابق شافعی فقہا بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ آئندہ مباحث میں ہم اسی رائے کو ترجیح دیں گے ضمناً اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہم آئندہ غیر سودی نظام بنک کاری کا جو خاکہ تجویز کرینگے اس میں مضاربت در مضاربت کو کلیدی مقام حاصل ہے۔

مضاربت کے سرمایہ سے شرکت کرنے کا اختیار

جہاں تک مالک کی اجازت سے مضاربت کے سرمایے کو کسی دوسرے کاروباری فریق کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کرنے میں استعمال کرنے کا سوال ہے۔ مختلف مکاتب فقہ اس بارے میں وہی رائے رکھتے ہیں جو وہ مضاربت در مضاربت کے سلسلے میں رکھتے ہیں۔ اگر صاحب سرمایہ کی اجازت ہو تو حنفی، مالکی اور حنبلی فقہا کے نزدیک کاروباری فریق سرمایہ مضاربت کے ذریعے کسی دوسرے فریق کی شرکت میں مشترکہ کاروبار کرسکتا ہے۔ مشترکہ کاروبار کے نفع میں سے جو حصہ کاروباری فریق کو ملے گا۔ وہ اس کے اور سرمایہ کے مالک کے درمیان طے شدہ شرائط کے مطابق تقسیم پائے گا۔

اس بحث کے آغاز میں حنفی[1] اور مالکی[2] فقہا کی وہ عبارتیں نقل کی جا چکی ہیں۔ جن میں

---

[1] کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ ص ۹۵

[2] احمد الدردیر: الشرح الصغیر جلد ۲ ص ۲۳۱، ۲۳۲

یہ بتایا گیا ہے کہ مالک کی اجازت سے کاروباری فریق سرمایۂ مضاربت کے ذریعے دوسرے افراد کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کر سکتا ہے۔ شافعی فقہا کا غالب مسلک عدم جواز کا ہے جیسا کہ امام نووی کے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے[۱]۔ البتہ کتاب المہذب کی جو عبارت اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ اس سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ بعض شافعی فقہا کے نزدیک کاروباری فریق صاحب سرمایہ کی اجازت سے سرمایۂ مضاربت کے ذریعے دوسرے کاروباری فریقوں کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کر سکتا ہے۔ حنبلی فقہا کا اس بارے میں بھی وہی مسلک ہے جو انہوں نے مضاربت کے سلسلے میں اختیار کیا ہے۔ یعنی صاحب سرمایہ کی اجازت سے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ ابن قدامہ نے مضاربت کے باب میں ایک اصولی بات یہ بیان کی ہے کہ:

> اس کا حکم بھی وہی ہے جو شرکت عنان کا ہے۔ ہر وہ تصرف جو شریک کے لیے جائز ہے۔ مضاربت میں کاروباری فریق کے لیے بھی جائز ہے جو تصرفات شریک کے لیے ممنوع ہیں وہ مضاربت کرنے والے کے لیے بھی ممنوع ہیں ....[۲]

اس سے پہلے پانچویں اصول پر بحث کرتے وقت اس بات کی سند فراہم کی جا چکی ہے کہ شرکت میں ہر شریک کو دوسرے شرکا کی اجازت سے سرمایۂ شرکت کے ذریعے کسی نئے فریق کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کرنے کا اختیار ہے

---

[۱] نووی: منہاج ص ۶۴
[۲] ابن قدامہ: مغنی جلد ۵ ص ۳۴

اور حنبلی فقہاء کی بھی یہی رائے ہے[1]۔

اس اصول سے متعلق بحث کے اختتام پہ یہ یاد دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں کاروبار میں نقصان ہونے کی شکل میں سرمایہ میں جو کمی واقع ہوگی وہ صاحب سرمایہ ہی برداشت کرے گا۔ پہلا کاروباری فریق، دوسرا کاروباری فریق یا پہلے کاروباری فریق کا شریک اس سرمایہ میں واقع ہونے والی کمی کا کوئی حصہ نہ برداشت کریگا جو مضاربت کے طور پہ حاصل کیا گیا تھا۔ اسی طرح اگر مضاربت پہ سرمایہ حاصل کرکے کاروبار کرنے والا فریق اس کاروبار میں اپنا ذاتی سرمایہ بھی لگاتا ہے تو اس کاروبار میں نقصان ہونے کی صورت میں وہ صرف اپنے سرمایہ کی نسبت سے نقصان برداشت کرے گا۔ مضاربت کے سرمایہ میں واقع ہونے والی کمی کو صاحب سرمایہ ہی برداشت کریگا۔ یہ مذکورہ بالا پہلے اصول کا تقاضا ہے اور اس پر تمام مکاتب فقہ متفق ہیں۔

قرض لینے یا قرض دینے کا اختیار

(۷) کوئی شریک یا مضاربت پر مال لے کر کاروبار کرنے والا فریق دوسرے شرکاء یا صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر کاروبار کا سرمایہ دوسرے افراد کو قرض نہیں دے سکتا، نہ دوسرے افراد سے قرض سرمایہ حاصل کرکے اس کاروبار میں لگا سکتا ہے۔

دوسرے افراد سے قرض لینے سے ہماری مراد کاروبار کی جانب سے قرض لینا ہے۔ جہاں تک اپنی ذاتی حیثیت میں ذاتی ذمہ داری پر قرض لینے کا سوال ہے ہر فرد کو اس کا اختیار ہے اور یہ اختیار مضاربت یا شرکت کے معاہدے سے ختم نہیں ہوجاتا۔ قرض لیے ہوئے سرمایہ کی حیثیت قرض لینے والے کے ذاتی سرمایہ کی ہوگی، اور اگر وہ اسے مشترکہ کاروبار میں لگانا چاہتا ہے۔ تو اسی

---

[1] بحوالہ ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ ص ۱۴۲۔

قواعد کے مطابق لگا سکے گا جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ یعنی اس کے لیے مضاربت میں صاحب سرمایہ اور شرکت میں دوسرے شرکاء کی اجازت درکار ہوگی۔ اس کے نفع و نقصان کا مالک خود وہ فرد ہوگا۔

قرض دینے کے سلسلے میں مذکورہ بالا اصول پر تمام مکاتب فقہ کا اتفاق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرکت اور مضاربت کے معاہدے سرمایہ کے ذریعے نفع آور کاروبار کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں اور قرض دینا ایک غیر نفع آور کام ہے۔ اس لیے اس کا حق شرکت یا مضاربت کے معاہدے سے خود بخود نہیں حاصل ہو سکتا، نہ اس عام اجازت سے جو جملہ کاروباری تصرفات کے لیے کافی ہے، بلکہ قرض دینے کی صریح اجازت لینا ضروری ہے۔

کاروبار کی طرف سے سرمایہ قرض لینا شرکاء یا مضاربت پر سرمایہ فراہم کرنے والے کی ذمہ داری میں اضافہ کرتا ہے، کیونکہ اگر کاروبار میں نقصان ہو جائے تو قرض لیا ہوا سرمایہ پورا واپس کرنا ہوگا۔ مالی ذمہ داری میں یہ اضافہ اصحاب سرمایہ کی صریح اجازت کے بغیر نہیں کیا جانا چاہیے۔ اس بارے میں جن فقہا کی رائیں صراحت کے ساتھ سامنے آسکی ہیں وہ اس اختیار کو شرکاء یا صاحب سرمایہ کی اجازت کا پابند قرار دیتے ہیں۔

حنفی فقہاء نے اس سلسلے میں اپنا مسلک دلیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

"جہاں تک قرض دینے کا سوال ہے۔ چونکہ اس کا فی الحال کوئی بدلہ نہیں ملتا لہٰذا وہ حسن سلوک (تبرع) میں داخل ہے اور ایک شریک کو دوسرے شریک کی طرف سے حسن سلوک کا اختیار نہیں، خواہ وہ یہ کہے یا نہ کہے کہ تم اپنی صواب دید کے مطابق کاروبار کرو الا یہ کہ وہ صراحتاً ایسا کرنے کی اجازت دے"[1]

---

[1] کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ صـ۶۷ (کتاب الشرکۃ)

"اگر صاحب سرمایہ نے) اس سے کہا ہو کہ تم اس سرمایہ سے اپنی صوابدید کے مطابق کاروبار کرو تو ان تمام تصرفات کا حق حاصل ہو جائے گا بجز قرض دینے کے ...... وہ قرض دینے کا اختیار اس لیے نہیں رکھتا کہ یہ حسن سلوک میں داخل ہے، کاروباری عمل نہیں ہے"[۱]

یہی حکم قرض لینے کا بھی ہے۔

"شرکت عنان میں کسی شریک کو یا مضاربت پر کاروبار کرنے والے کو معاہدے کی رو سے قرض لینے کا اختیار نہیں ملتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ان دونوں صورتوں میں قرض لینے کا حق تسلیم کر لیا جائے تو شرکت یا مضاربت کے اصل سرمایہ میں اضافہ لازم آتا ہے جب کہ (از روئے معاہدہ) شرکاء میں سے ہر ایک دوسرے کے کاروباری تصرفات پر صرف اسی سرمایہ کی حد تک راضی ہوا تھا جسے دونوں نے شرکت کا سرمایہ قرار دیا تھا..."[۲]

یہی بات کاسانی نے بھی لکھی ہے[۳] انہوں نے اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے کہ یہ حق اس عام اجازت کے تحت بھی نہیں حاصل ہوتا۔ جو جملہ کاروباری تصرفات کے لیے دی جاتی ہے بلکہ اس کے لیے مخصوص طور پر اجازت لینا ضروری ہے

"رہی تصرفات کی وہ قسم جس کا اختیار مضاربت پر کاروبار کرنے والے

---

[۱] سرخسی: المبسوط جلد ۲۲ صـ ۳۹-۴۰ (کتاب المضاربۃ)

[۲] سرخسی: المبسوط جلد ۱۱ صـ ۱۷۴

[۳] کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ صـ ۶۸

کو صریح اجازت کے بغیر نہیں ملتا تو اسے یہ اختیار نہیں کہ مضاربت کے سرمایہ میں مزید سرمایہ قرض لے کر شامل کرے[1]

قرض دینے کے مسئلے میں حنابلہ کا مسلک بھی وہی ہے جو احناف کا ہے۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں:۔

"(شرکت عنان میں) اسے یہ اختیار نہیں کہ قرض دے سکے" [2]

"اگر اس کا شریک اس سے یہ کہے کہ تم اپنی رائے کے مطابق کاروبار کرو تو اس کے لیے تمام کاروباری تصرفات جائز ہو جائیں گے ...... البتہ بلامعاوضہ کسی غیر کو مالک بنانے مثلاً ہبہ کرنے ...... یا قرض دینے ...... ان کاموں کا حق نہیں حاصل ہوگا۔" [3]

جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے۔ مضاربت میں کاروباری فریق کے لیے بھی وہی حکم ہے جو شرکت میں ایک شریک کے لیے۔

مشترکہ کاروبار کی جانب سے، کاروبار کی ذمہ داری پر قرض لینے کے سلسلے میں بھی حنابلہ کا مسلک یہی ہے کہ یہ اختیارات کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتا۔

"اسے یہ اختیار نہیں کہ شرکت کے سرمایہ میں قرض لے کر مزید سرمایہ شامل

---

[1] کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ ص ۶۹ نیز ملاحظہ ہو ہدایۃ جلد ۳ ابواب المضاربۃ

[2] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ ص ۱۳۰

[3] ایضاً ص ۱۳۲

کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ اس کا ذاتی سرمایہ سمجھا جائے گا جس کا نفع اسی کے لیے مخصوص ہو گا اور اس میں ہونے والا خسارہ بھی اسی کو برداشت کرنا ہو گا۔" [1]

ابن قدامہ نے اس بات کی صراحت نہیں کی ہے کہ اگر دوسرے شرکا اس کی اجازت دیں تو ایسا کیا جا سکتا ہے کہ نہیں۔ لیکن قیاس یہی ہے کہ اجازت کے بعد ایک شریک ایسا کر سکے گا۔ کیونکہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ اگر دوسرے شرکا اجازت دے دیں تو ایک شریک کے لیے وہ تمام کاروباری تصرفات جائز ہو جائیں گے۔ جو تجارت میں معروف ہیں۔ مثلاً شرکت، مضاربت، اپنا سرمایہ ملانا اور ادھار فروخت کرنا وغیرہ۔ دوسرے شرکا کی اجازت کے بعد لیے ہوئے قرض کی حیثیت تمام شرکا کی جانب سے لیے ہوئے قرض کی ہو جاتی ہے اور کوئی فقہی اصول اس میں مانع نہیں کہ ایک شریک دوسرے شرکا کی مرضی سے ایسا کر سکے۔

مالکی اور شافعی فقہا کے یہاں ہمیں قرض دینے اور لینے کے اختیار کے سلسلے میں کوئی صریح بیان نہ مل سکا۔

اس سلسلے میں ہمارا موقف وہی ہے جو اس بحث کے آغاز میں ایک اصول کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ احناف کا مسلک اس رائے کی تائید کرتا ہے۔ اس مسئلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ ہر صاحب سرمایہ کو اپنے ذاتی سرمایہ میں سے قرض

---

[1] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ ص ۱۳۱

دینے یا اپنی ذمہ داری پر قرض لینے کا اختیار ہے۔ اس اختیار کو وہ خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور اپنے وکیل (ایجنٹ) کے ذریعے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مضاربت میں کاروباری فریق صاحب سرمایہ کا ایجنٹ ہوتا ہے اور شرکت میں ہر شریک دوسرے شرکاء کا ایجنٹ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی وجہ نہیں کہ اگر شرکاء یا مضاربت کے اصول پر سرمایہ فراہم کرنے والا اس بات کی صراحت کے ساتھ اجازت دے تو بھی ایک شریک یا کاروباری فریق کو یہ اختیارات نہ حاصل ہوں۔

ادھار خرید و فروخت کا اختیار

۸۔ شرکت میں ہر شریک اور مضاربت میں کاروباری فریق کاروبار کے سلسلے میں ادھار خرید و فروخت کا اختیار رکھتا ہے، الّا یہ کہ اسے دوسرے شرکاء یا صاحب سرمایہ ایسا کرنے سے منع کر دیں۔ مشترکہ کاروبار کی جانب سے ادھار خریدی جانے والی اشیاء اور خدمات کی قیمت کاروبار کی مالیت سے زیادہ نہ ہونی چاہئیں۔ اس سے زیادہ ادھار مال خریدنے کا اختیار دوسرے شرکاء یا صاحب سرمایہ کی اجازت سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اجازت کے بعد اگر کسی فریق نے کاروبار کی جانب سے ادھار مال خریدا ہو اور کاروبار کا سرمایہ اس مال کی قیمت ادا کرنے کے لیے کافی نہ ہو تو وہ اس کی قیمت ادا کرنے میں دوسرے فریقوں کے ساتھ برابر کا ذمہ دار ہو گا۔

ادھار فروخت کرنا قرض دینے اور ادھار خریدنا قرض لینے کی طرح ہے اس لیے فقہاء کے مسلک اس باب میں بھی تقریباً وہی ہیں جو انہوں نے قرض

کے سلسلے میں اختیار کیے ہیں۔ البتہ ان دونوں تصرفات کے درمیان ایک فرق بھی ہے۔ کاروبار میں ادھار لین دین سے پرہیز دشوار ہے۔ اور اگر کاروباری فریق یا شرکار کو اس اختیار سے محروم کر دیا جائے تو کاروبار کا پھیلنا مشکل ہوگا اور نفع کا امکان بھی محدود ہوگا۔ اس فرق کی وجہ سے عام طور پر فقہائے کاروباری فریق اور شرکار کو ادھار فروخت کا اختیار دیا ہے اور اس سلسلے میں ان کو صاحب سرمایہ یا دوسرے شرکار کی اجازت کا محتاج نہیں قرار دیا ہے۔ ادھار خریدنے کے سلسلے میں فقہار کی رائیں مختلف ہیں۔ جیسا کہ ذیل میں بیان کیا جائے گا۔

احناف کے نزدیک ہر شریک اور مضاربت میں کاروباری فریق کو از روئے معاہدہ ادھار فروخت کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ چند حدود کے اندر اسے ادھار خریدنے کا بھی اختیار رہے۔ البتہ ان حدود سے تجاوز کے لیے دوسرے شرکار یا صاحب سرمایہ کی اجازت ضروری ہے۔ کاسانی لکھتے ہیں :۔

"ہر شریک کو شرکت کا مال نقد یا ادھار فروخت کرنے کا اختیار ہے۔
..... اور اسے یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ نقد یا ادھار مال خریدے
...... بشرطیکہ اس کے پاس شرکت کے سرمایہ میں سے نقد موجود ہو یعنی درہم و دینار ..... اگر اس کے پاس نہ درہم ہوں نہ دینار اور وہ کوئی ایسی چیز خریدے جس کی قیمت درہم و دینار میں دینی ہو تو خرید کردہ چیز اس کی ذاتی ملکیت ہوگی، شرکار کی ملکیت سے علیحدہ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ہم اس کی اس خریداری کو شرکت کے حساب میں شمار کریں تو یہ شرکت کی جانب سے قرض لینے کے مترادف ہوگا

اور شریک کو اجازت کے بغیر شرکت کی جانب سے قرض لینے کا اختیار نہیں اور یہی حکم مضاربت کا بھی ہے۔[1]

مضاربت کی بحث میں کاسانی نے یہ لکھا ہے کہ مضاربت میں کاروباری فریق کو ادھار فروخت کا اختیار حاصل ہونے کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ کی رائے ایک ہے اور امام محمد اور قاضی ابویوسف کی رائے دوسری ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ اختیار از روئے معاہدہ خود بخود حاصل ہو جاتا ہے اور امام محمد اور ابویوسف کے نزدیک بغیر اجازت کے نہیں حاصل ہو سکتا۔[2] فقہ حنفی میں جو رائے اختیار کی گئی ہے وہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے۔ ادھار خریدنے کے اختیار کے بارے میں حنفی فقہا کا مسلک یہ ہے کہ یہ اختیار صاحب سرمایہ کی صریح اجازت کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتا۔ کیونکہ مال ادھار خریدنا قرض لینے کے مترادف ہے۔ اگر کاروباری فریق صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر ایسا کرے گا تو یہ اقدام اس کی جانب سے اس کی ذاتی حیثیت میں سمجھا جائے گا۔ کاروبار مضاربت سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔ کاسانی لکھتے ہیں۔

"قرض لینے کی صورت یہ ہے کاروباری فریق کچھ سامان تجارت اس طور پر خریدے کہ اس کی قیمت قرض رہے اور اس کے پاس قیمت کی جنس کا مال نہ موجود ہو ..... کاروبار مضاربت کی جانب سے ایسا کرنا جائز نہیں ..... جب کاروباری فریق مضاربت کے سرمایہ پر قبضہ حاصل

---

[1] کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ صد ۶۷

[2] ایضاً صد ۸۷

کر لے تو اسے اس کا اختیار نہیں کہ جو سرمایہ اس کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ دام کا سامان خریدے۔ کیونکہ یہ زیادہ قرض ہوگا اور اس کے پاس مضاربت کے سرمایہ میں سے اس قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ نہیں ہے۔ اگر اس نے کچھ سامان دو ہزار درہم میں خریدے اور مضاربت کا اصل سرمایہ صرف ایک ہزار ہے تو خریدے ہوئے سامان میں سے ایک ہزار کا مال تو کاروبار مضاربت کے لیے ہوگا اور باقی مال کاروباری فریق کا اپنی ذاتی حیثیت میں ہوگا۔ اس کا نفع اسی کو ملے گا اور خسارہ ہوا تو یہ خسارہ بھی اسی کو برداشت کرنا ہوگا۔ یہ زائد قیمت اس کے ذمے قرض رہے گی جسے وہ اپنے ذاتی سرمایہ میں سے ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا[1]

جیسا کہ مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہے حنفی فقہاء کے نزدیک صاحب سرمایہ یا دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر بھی اتنا سامان ادھار خریدا جا سکتا ہے جس کی قیمت کی ادائیگی کے بقدر نقد سرمایہ موجود ہو، کیونکہ اس کی صورت میں اگرچہ قیمت ادھار ہی رہتی ہے لیکن اس کی ادائیگی ہر وقت ممکن ہے اور کاروبار کی مالی ذمہ داری میں اس کے سرمایہ کی حد سے زیادہ توسیع نہیں عمل میں آتی۔ اگر دوسرے شرکاء یا مضاربت میں سرمایہ فراہم کرنے والا اجازت دے تو کسی مقدار میں بھی ادھار مال خریدا جا سکتا ہے۔ شرکت میں اس مال کی نوعیت مشترکہ مال کی اور اس کی قیمت کی نوعیت مشترکہ ذمہ داری پر لیے ہوئے قرض کی ہوگی۔ مضاربت میں بھی حنفی فقہاء کے نزدیک اس مال کی نوعیت صاحب سرمایہ اور کاروباری فریق کے مشترکہ مال کی اور اس کی قیمت کی نوعیت مشترکہ

---

[1] کاسانی: بدائع الصنائع۔ جلد ۶ صفحہ ۹

ذمہ داری پہ لیے ہوئے قرض کی ہوگی۔ اس مال کو صاحب سرمایہ کا مال اور اس کی قیمت کو صرف صاحب سرمایہ کے ذمے قرض کی حیثیت نہیں دی جائے گی۔ اس کا سبب وہ یہ بتاتے ہیں کہ مضاربت کا معاہدہ قرض سرمایہ کی بنیاد پہ نہیں کیا جاسکتا۔ قرض سرمایہ کی بنیاد پہ کاروبار کی جائز شکل شرکتِ وجوہ کی شکل ہے۔ دو افراد، کسی سرمایہ کے بغیر، صرف اپنی کاروباری ساکھ کی بنیاد پر ایک دوسرے کی شرکت میں کاروبار کا معاہدہ کرتے ہیں تو یہ معاہدہ شرکت وجوہ' قرار پاتا ہے۔ یہ دونوں ادھار مال خریدتے ہیں اور اس کی فروخت کے ذریعے نفع کماتے ہیں۔[1]

مذکورہ بالا صورت میں جب کاروباری فریق صاحب سرمایہ کی اجازت سے ادھار مال خریدتا ہے تو حنفی فقہاء کے نزدیک وہ صاحب سرمایہ سے اس ادھار مال کے کاروبار کی حد تک شرکت وجوہ میں ایک فریق بن جاتا ہے۔ دونوں اس کی قیمت ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے اور اس کے نفع نقصان میں برابر کے شریک ہوں گے۔ خواہ خود کاروبار مضاربت میں ان کے درمیان نفع کی تقسیم کے لیے جو نسبت بھی طے پائی ہو۔ سرخسی نے زیر غور مسئلے پہ تفصیلی بحث کے بعد اس کا حکم یہی بتایا ہے۔ جو اختصار کے ساتھ ہم نے بیان کیا ہے۔[2]

---

[1] شرکت کی یہ شکل صرف حنفی فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳ مباحث الشرکۃ اور حنفی مآخذ فقہ میں شرکت کے ابواب

[2] سرخسی: المبسوط۔ جلد ۲۲۔ صفحات ۱۷۸ - ۱۸۵ (باب المضارب یامرہ رب المال بالاستدانۃ علی المضاربۃ نیز کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ - ص۹۳

مالکی فقہاء شرکت میں ایک شریک کی جانب سے ادھار فروخت کے سلسلے میں وہی رائے رکھتے ہیں جو احناف نے اختیار کی ہے۔ لیکن مضاربت میں کاروباری فریق مالک کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ ادھار مال خریدنے کا اختیار شرکت میں شرکا کی اجازت سے مل سکتا ہے۔ مگر مضاربت میں کاروباری فریق کو یہ اختیار اجازت لینے کے باوجود نہیں مل سکتا۔

"اسے اختیار ہے کہ شرکت کا مال ایک متعین مدت کے بعد ادا کی جانے والی رقم کے عوض ادھار فروخت کرے۔ لیکن اسے ادھار خریدنے کا اختیار نہیں۔ جب وہ شرکت کی اجازت کے بغیر اپنے ذمے واجب الادا رقم کے عوض شرکت کے لیے مال خریدے گا تو اس کے شریک کو نہ اس مال کا نفع مل سکے گا نہ اس پر اس میں واقع ہونے والے خسارے کی ذمہ داری ہوگی۔ کیونکہ یہ ذمہ داریوں میں شرکت ہے جو جائز نہیں۔ (عدم جواز کی بنیاد یہ اصول ہے کہ) اس کا شریک ایسے سرمایہ کا نفع نہ پائے جس کے نقصان کی ذمہ داری اس نے نہ لی ہو نہ ایسا تاوان بھگتے جو اس پر عائد نہ ہوتا ہو۔ اس قرض کی ذمہ داری صرف خریدنے والے کے سر ہوگی۔ البتہ اگر اس کا شریک کسی مخصوص چیز کے سلسلے میں ایسا کرنے کی اجازت دے دے تو اس کے لیے ادھار خریدنا جائز ہوگا۔ اس اجازت کے بعد اس کی حیثیت ایک ایسے کام میں اپنے شریک کے ایجنٹ کی ہوگی جس کا اسے اختیار تھا۔ اب ان دونوں کی حیثیت ان دو افراد کی ہوگی جو اپنی مشترکہ ذمہ داری پر کسی چیز کو ادھار خریدیں۔ یہ بالکل جائز ہے"[۱]

۱۔ احمد الدردیر: الشرح الصغیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۶

ابن حاجب نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اسے ادھار خرید و فروخت کا اختیار حاصل ہے۔ خواہ اسے ادھار خریدنے کی صراحتہً اجازت نہ ملی ہو کیونکہ شرکت معاوضہ میں مال خریدنے کی عام اجازت شامل ہے۔ ابن رشد کی بھی یہی رائے ہے اور مدونہ میں بھی ظاہر مسلک یہی ہے۔[1]

یہ شرکت کا حکم تھا۔ مضاربت کی صورت میں مال فروخت کرنے کا اختیار از روئے معاہدہ نہیں حاصل ہو جاتا بلکہ اس کے لیے مالک کی اجازت ضروری ہے۔ جہاں تک کاروباری فریق کے ادھار مال خریدنے کا سوال ہے۔ مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ اسے یہ اختیار صاحب سرمایہ کے اجازت دینے پر بھی نہیں حاصل ہو سکتا احمد الدردیر لکھتے ہیں کہ اگر کاروباری فریق مضاربت کا مال مالک کی اجازت کے بغیر ادھار فروخت کرے گا تو اس کی قیمت کا ذمہ دار قرار پائے گا (یعنی اگر خریدار سے قیمت نہ وصول ہوئی تو وہ اپنے پاس سے ادا کرے گا)[2]۔ اسی حکم کی صراحت موطا کی شرح زرقانی میں بھی کی گئی ہے[3] اور خود امام مالک سے موطا میں یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ ادھار خریدنے کے سلسلے میں احمد الدردیر نے یہ لکھا ہے کہ :

"مضاربت پر کاروبار کرنے والا ادھار نہیں خرید سکتا۔ اس کے لیے یہ

---

[1] احمد الدردیر : الشرح الصغیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۴

[2] محمد الزرقانی : شرح موطا کتاب القراض۔ باب الدین فی القراض

[3] احمد الدردیر : الشرح الصغیر۔ جلد ۲ صفحہ ۲۳۲

جائز نہیں کہ وہ کوئی چیز کاروبار مضاربت کے لیے ادھار خریدے یعنی اس کی قیمت کی وصولی کو مؤخر رکھے اور وہ کاروبار کے مالک (صاحب سرمایہ) کے ذمّے قرض رہے۔ اگر مالک اسے ایسا کرنے کی اجازت دے تو بھی وہ ایسا نہیں کر سکتا ....

کاروباری فریق کاروبار مضاربت کے لیے سرمایہ مضاربت سے زیادہ قیمت کا مال نہیں خریدے گا خواہ اس کا دام وہ اپنی جیب سے نقد ادا کر دے۔ اگر وہ مضاربت کے کاروبار کے لیے ادھار یا اپنے پاس سے نقد قیمت ادا کر کے سرمایہ مضاربت سے زیادہ دام کا مال خریدے تو اس زیادہ مال کا نفع اسی کے لیے یعنی کاروباری فریق کے لیے ہوگا ...

.... مالک کے لیے اس نفع میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اس میں نقصان ہو تو اسے بھی کاروباری فریق ہی برداشت کرے گا[1]

شافعی فقہا کا مسلک یہ ہے کہ شرکت اور مضاربت میں ادھار مال فروخت کرنے کے لیے دوسرے شرکار یا صاحب سرمایہ کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ مضاربت میں کاروباری فریق کو سرمایہ مضاربت کی حد کے اندر رہتے ہوئے ادھار مال خریدنے کا اختیار ہے۔ اس سے زیادہ کا مال ادھار خریدنے کے لیے صاحب سرمایہ کی اجازت درکار ہوگی۔ امام نووی لکھتے ہیں:

"ہر شریک کو ایسے تصرفات کا اختیار ہے جس سے دوسرے شرکار کا

---

[1] احمد الدردیر: الشرح الصغیر، جلد ۲ صـ ۲۴۲

نقصان نہ ہو، چنانچہ وہ ادھار نہیں فروخت کرے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بغیر اپنے شریک کی اجازت کے۔" [1]

امام غزالی نے صراحت کر دی ہے کہ یہی حکم مضاربت میں کاروباری فریق کے لیے بھی ہے [2]

مضاربت کی صورت میں کاروباری فریق کے مال ادھار خریدنے کے سلسلے میں یہ حکم ہے کہ:

"کاروباری فریق کاروبار مضاربت کے لیے اصل سرمایہ سے زیادہ کا مال نہ خریدے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بغیر مالک کی اجازت کے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ فعل مالک کی ذمہ داری پر نہ ہوگا بلکہ کاروباری فریق اس کا ذمہ دار ہوگا۔ [3]

شرکت کی صورت میں اس مسئلے میں کوئی صریح بیان نہ مل سکا کہ ایک شریک دوسرے شرکاء کی اجازت سے مال ادھار خرید سکتا ہے کہ نہیں۔ استاذ علی الخفیف نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے شرکاء کی اجازت سے اس کے جواز پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے [4]

حنبلی کتب فقہ میں شرکت اور مضاربت میں شریک اور کاروباری فریق

---

[1] نووی: منہاج ص ۶۵

[2] غزالی: کتاب الوجیز جلد ۱ ص ۲۲۳

[3] نووی: منہاج ص ۶۵

[4] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی ص ۸۵

کے لیے ایک ہی حکم ہے اور وہ یہ کہ اجازت کے بغیر بھی ادھار فروخت کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن بعض حنبلی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس کے لیے مالک یا دوسرے شرکاء کی اجازت ضروری ہے اور یہ کہ اس کے لیے عام اجازت کافی ہے۔ ادھار خریدنے کے سلسلے میں ان کا مسلک وہی ہے جو شافعی فقہاء نے اختیار کیا ہے۔ یعنی مشترکہ سرمایہ کے حدود میں رہتے ہوئے مال ادھار خریدا جا سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کا مال خریدنے کے لیے شرکاء یا صاحب سرمایہ کی اجازت ضروری ہے۔

"اور کاروباری فریق جب صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر مال ادھار فروخت کرے تو ایک روایت کے مطابق وہ ضامن ہوگا اور دوسری روایت کے مطابق نہیں ضامن ہوگا۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ کاروباری فریق یا کسی مشترکہ کاروبار میں ایک شریک کو جب صراحتہً بتا دیا جائے کہ وہ نقد اور ادھار، یا اسی ملک کے سکے کے عوض یا کسی اور سکہ کے عوض فروخت کر سکتا ہے تو یہ پابندی جائز ہوگی اور اس کی خلاف ورزی ناجائز ہوگی۔ کیونکہ وہ اجازت کی بنیاد پر تصرف کرتا ہے لہٰذا ایسا تصرف نہیں کرے گا جس کی اسے اجازت نہ ملی ہو۔ جیسا کہ ایجنٹ کا مقام ہے...... اگر کوئی صراحت نہ ہو اور معاہدہ علی الاطلاق ہو تو نقد قیمت کے عوض فروخت کے اختیار میں کوئی اختلاف نہیں اور ادھار فروخت کے سلسلے میں دو روایتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اسے ایسا کرنے کا اختیار نہیں۔ یہ امام مالک، ابن ابی لیلیٰ اور امام شافعی کی رائے ہے...... اور دوسری یہ

کہ اس کو ادھار فروخت کا اختیار ہوگا۔ یہ ابوحنیفہ کی رائے ہے اور ابن عقیل نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ تجارت اور مضاربت میں کاروباری فریقوں کو جو اجازت دی گئی ہے اس کی تعبیر کاروبار میں مروجہ طریقوں کے مطابق کی جائے گی اور یہ (ادھار فروخت) کاروباری افراد کی عادت ہے اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان معاہدوں کا مقصد نفع کمانا ہے اور ادھار فروخت میں نفع زیادہ ہوتا ہے ...... اور اگر (صاحب سرمایہ شرکا رنے) اس سے یہ کہا ہے کہ اپنی صواب دید کے مطابق کاروبار کرو تو اسے ادھار فروخت کا اختیار (بالاتفاق) حاصل ہو جائے گا۔" [1]

ادھار خریدنے کے سلسلے میں ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ :۔

راجح مسلک یہ ہے کہ جب اس کے پاس شرکت کے مال میں سے اتنا مال موجود ہو جس کو فروخت کر کے قیمت ادا کر نا ممکن ہو تو ایسا کرنا جائز ہوگا کیونکہ اس کے لیے مال شرکت میں سے قیمت کی ادائیگی ممکن ہے اس لیے یہ ایسا ہی ہے جیسے اس کے پاس اتنا نقد موجود ہو۔ جواز کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ تاجروں کا عام طریقہ ہے جس سے پرہیز ممکن نہیں۔" [2]

آگے اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اگر اجازت حاصل ہو تو اس اختیار

---

[1] ابن قدامہ :۔ المغنی۔ جلد ۵ ص ۱۴۹-۱۵۰

[2] ایضاً ص ۱۳۱

کے ملنے میں کسی کو اختلاف نہیں۔" لہ

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حنفی، مالکی اور حنبلی فقہار کے نزدیک ہر شریک کو دوسرے شرکار کی اجازت کے بغیر ادھار فروخت کا اختیار ہے۔ شافعی فقہار کے نزدیک اجازت ضروری ہے۔ مضاربت کی صورت میں بھی حنفی اور حنبلی فقہار کے نزدیک یہ اختیار صاحب سرمایہ کی اجازت کا محتاج نہیں، مگر مالکی اور شافعی فقہار کے نزدیک اجازت ضروری ہے۔ ہم نے جس رائے کو ترجیح دی ہے وہ حنبلی اور حنفی فقہ کے مطابق ہے۔ یعنی شرکت اور مضاربت میں ہر شریک اور کاروباری فریق کو اجازت حاصل کیے بغیر ادھار فروخت کا اختیار رکھتا ہے۔ اس پر ہم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ دوسرے شرکار یا صاحب سرمایہ کسی وقت بھی اپنے شریک یا کاروباری فریق کو ادھار فروخت سے منع کر سکتے ہیں۔ یہ اضافہ حنفی فقہ کے اصول سے ہم آہنگ ہے اور اس میں شافعی نقطہ نظر کی بھی رعایت ہے۔ وکیل (ایجنٹ) کو مالک بعض تصرفات سے صراحتہً منع کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اس کی یہ ممانعت نافذ ہو گی۔

مال ادھار خریدنے کے سلسلے میں بھی ہم حنفی مسلک کو ترجیح دیں گے۔ ہمارے نزدیک مالکی فقہار کی یہ رائے کہ مضاربت میں کاروباری فریق کو صاحب سرمایہ کی اجازت کے باوجود یہ حق نہیں حاصل ہو سکتا۔ کاروباری فریق کی اصولی حیثیت ـــــ وکیل (ایجنٹ) کی حیثیت ـــــ سے ہم آہنگ نہیں۔ ہر

لہ بحوالہ بالا نیز ملاحظہ ہو علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی صفحہ ۸۴-۸۵

شخص کو خود مال ادھار خریدنے کا اختیار ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے نمائندے کے ذریعے یہ کام نہ کر سکے۔ حنفی، شافعی اور حنبلی فقہاء اس بارے میں متفق ہیں کہ شرکت کی طرح مضاربت کی صورت میں بھی اجازت حاصل کر کے مال ادھار خریدا جا سکتا ہے۔ یہی رائے قابل ترجیح ہے۔

حنفی، شافعی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک اور شرکت کی حد تک بعض مالکی فقہاء کے نزدیک بھی ایک خاص حد کے اندر رہتے ہوئے ہر فریق کو اجازت حاصل کیئے بغیر بھی مال ادھار خریدنے کا اختیار ہے۔ عام طور پر یہ حد اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اگرچہ خریدے ہوئے مال کی قیمت نقد نہ ادا کی گئی ہو لیکن کاروبار میں اتنی مالیت موجود ہو کہ نقد قیمت ادا کرنا ممکن ہو۔ اس شرط سے ان فقہاء کا منشا یہ ہے کہ ادھار مال خریدنے کے باوجود اصحاب سرمایہ کی مالی ذمہ داریوں میں کوئی اضافہ نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں اس بات کا کوئی امکان نہ پیدا ہو کہ خسارے کی صورت میں مجموعی خسارے کی مقدار کاروبار میں لگائے ہوئے کل سرمایہ سے زیادہ ہو۔ اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے فریقین کو ادھار مال خریدنے کا اختیار دینے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے بغیر کامیاب نفع آور کاروبار کرنا دشوار ہو جائے گا۔

ہمارے نزدیک یہ ایک وزنی دلیل ہے اور مذکورہ بالا شرط کی پابندی کرتے ہوئے ہر فریق کو ادھار مال خریدنے کا اختیار ہونا چاہیئے۔ اس شرط کی پابندی کی صورت یہ ہے کہ کسی وقت بھی کسی مشترکہ کاروبار کے ذمے واجب رقوم اس وقت اس کاروبار کی مجموعی مالیت سے زیادہ نہ ہونی چاہئیں ۔۔۔

آئندہ مباحث میں ہم یہی رائے سامنے رکھیں گے اور اسی کی صراحت ہم نے اس بیان میں کی ہے جو اس بحث کے شروع میں ایک اصولی حکم کے طور پر درج کیا گیا ہے۔

اس ضمن میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دوسرے فریقوں کی اجازت سے مشترکہ کاروبار کی مالیت سے زیادہ کا ادھار کاروبار کیا گیا اور کاروبار میں خسارہ ہوا، جس کے نتیجے میں واجب الادا رقوم کی ادائیگی کاروبار کے سرمایہ میں سے ممکن نہ ہو سکی تو اس کی ادائیگی کس طور پر ہوگی؟ شرکت کی صورت میں اس کا حکم واضح ہے یعنی یہ کہ اس مشترکہ ذمہ داری کی تکمیل میں تمام شرکاء مساوی طور پر شریک ہوں گے، خواہ ان کے سرمائے برابر رہے ہوں یا کم و بیش رہے ہوں۔ مضاربت کی صورت میں ایک ممکن رائے یہ ہو سکتی ہے کہ یہ ادائیگی صاحب سرمایہ کے ذمے ہوگی جس کے ایجنٹ کے طور پر کاروباری فریق نے یہ اقدام کیا تھا۔ لیکن حنفی فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اس ذمہ داری میں کاروباری فریق اور صاحب سرمایہ مساوی طور پر شریک ہوں گے کیونکہ یہ اقدام ان دونوں کی جانب سے مشترکہ اقدام قرار پائے گا۔ حنبلی اور شافعی فقہاء کی بحث میں ہمیں اس ذیل میں کوئی صراحت نہیں مل سکی ہے۔ اور مالکی فقہاء اس اقدام کو جائز نہیں قرار دیتے۔ ایسی صورت میں ہم اس رائے کو ترجیح دیں گے جو حنفی فقہاء نے اختیار کی ہے۔ ساتھ ہی اس مال کے نفع کی تقسیم کے بارے میں بھی احناف کی یہ رائے اختیار کرنی ہوگی کہ یہ نفع مساوی طور پر تقسیم پائے گا۔ اس نسبت کے مطابق نہیں جو مضاربت کے سرمایہ کے نفع کے سلسلے میں طے پائی ہو۔

حنفی فقہار کی رائے کے حق میں یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ اگر صاحب سرمایہ مضاربت کے کاروبار میں قرض سرمایہ لگانا چاہتا ہے تو اس کی سیدھی شکل یہ ہے کہ وہ خود قرض لے کر اسے اپنے ذاتی سرمایہ کے طور پر کاروباری فریق کو دے، اور اگر ادھار مال خرید کر کاروبار کرنا چاہتا ہے تو خود ادھار مال خرید کر .... اس سے کاروبار کرے۔ مال کے ادھار خریدنے میں جو چیز کام آتی ہے وہ خریدنے والے کی ساکھ ہے اور ادھار مال دینے والا خریدنے والے ہی کی ساکھ اور صلاحیت ادائیگی کے پیش نظر ایسا کرتا ہے۔ کاروباری فریق کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ اپنی ذاتی ذمہ داری پر مال ادھار خرید کر اس سے کاروبار کرتا۔ ایسی صورت میں اس کا نفع اس کو ملتا اور اس کی قیمت ادا کرنے کا بھی وہ تنہا ذمہ دار ہوتا۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا ہے بلکہ کاروبار کی جانب سے ادھار مال خریدتا ہے تو اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ وہ قیمت کی ادائیگی کی ذمہ داری تنہا خود نہیں لینا چاہتا۔ ایسی صورت میں قیمت کی ادائیگی کی ذمہ داری اور نفع دونوں میں کاروباری فریق اور صاحب سرمایہ کو برابر کا شریک قرار دینا انصاف کے مطابق ہوگا اور اس اصول کے بھی کہ

"نفع کا استحقاق ذمہ داری سے وابستہ ہے۔"

کاروبار کرنے میں جہاں اشیار کی خرید و فروخت عمل میں لائی جاتی ہے، وہاں خدمات کی خرید و فروخت بھی عمل میں لائی جاتی ہے۔ مزدوروں کی خدمات انجینیروں یا کسی اور فن کے ماہرین کی خدمات اور تیار شدہ مال فروخت کرنے والوں کی خدمات اس شرط پر حاصل کی جاتی ہیں کہ ان کو متعین وقفوں پر ـــــ

ہفتہ وارانہ یا ماہانہ ـــــ ان کی خدمات کے معاوضے ادا کیے جاتے رہیں گے ۔ خدمات کے معاوضے ان کی عملاً انجام دہی کے بعد ادا کیے جاتے ہیں ۔ یہی کاروباری دنیا کا معروف طریقہ ہے ۔ اس سے ادھار خریدنا لازم آتا ہے ۔ لیکن اس تصرف کا ہر کاروباری فریق کو مالک یا شرکار کی اجازت کے بغیر از روئے معاہدہ اختیار حاصل ہونا چاہیے ۔ ورنہ کاروبار چلانا ممکن نہ رہ جائے گا ۔ خدمات کی ادھار خرید کا اختیار بھی انہی حدود کا پابند ہوگا جو اوپر بیان کی گئی ہیں ۔

چوتھا باب

شرکار کی مالی ذمہ داریاں

ذیل کے اصول کا تعلق مشترکہ کاروبار میں شرکار کی مالی ذمہ داری یا ضمان (Liabi-lity.) سے ہے۔ وہ صورتیں زیر بحث نہیں جن میں معاہدے کی خلاف ورزی یا اس کے لیے طے کردہ حدود سے تجاوز کے سبب یا کسی ذاتی فعل کے سبب کسی فریق پر کوئی مالی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ صرف اس مالی ذمہ داری کا ذکر ہے جو معاہدے کی پوری پابندی کی صورت میں کسی فریق پر عائد ہو سکتی ہے۔

جہاں تک شرکت یا مضاربت کی اس سادہ شکل کا سوال ہے جس میں کوئی فریق مشترکہ کاروبار میں اپنا ذاتی سرمایہ شامل کرنے، قرض سرمایہ شامل کرنے یا کاروبار کی مالیت سے زیادہ ادھار مال خریدنے یا اس قسم کا کوئی اور تصرف نہیں کرتا کاروبار کی مجموعی مالی ذمہ داریاں کبھی اس کے مجموعی سرمایے سے متجاوز نہیں ہو سکتیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اختتام کاروبار پر کاروبار کے ذمے ایسی واجب الادا رقوم رہ جائیں جن کی ادائیگی خود کاروبار کے سرمایے سے ممکن نہ ہو۔ ایسی صورت میں مالی ذمہ داری کی وہ بحث پیدا ہی نہیں ہوتی جس کے بارے میں اصولی حکم ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بحث صرف اس صورت میں پیدا ہوتی ہے جب مشترکہ کاروبار کی جانب سے قرض لیا گیا ہو، یا ادھار مال خریدا گیا ہو، یا مستقبل میں ادائیگی کے وعدے

پر کچھ خدمات حاصل کی گئی ہوں۔ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ کاروبار کے ذمے جو رقوم واجب الادا ہوں ان کی ادائیگی، نقصان یا دیوالیہ کی صورت میں، سرمایہ کاروبار میں سے ممکن نہ رہ جائے۔ ایسی صورت میں یہ بات واضح طور پر متعین ہونی چاہیئے کہ ان باقی مالی ذمہ داریوں کی تکمیل کس کے ذمے ہوگی، جس کی تکمیل مشترکہ سرمایے میں سے ممکن نہ ہو سکی۔

محدود مالی ذمہ داری کا اصول

۹۔ شرکت میں کوئی شریک دوسرے شرکاء کی اٹھائی ہوئی مالی ذمہ داریوں کا کفیل (ضامن) نہیں ہوتا الا یہ کہ یہ ذمہ داری تمام شرکاء کی اجازت سے مشترکہ کاروبار کی جانب سے اٹھائی گئی ہو۔ مضاربت میں سرمایہ فراہم کرنے والے فریق کی مالی ذمہ داری اس کے فراہم کردہ سرمایہ کی حد تک محدود ہوگی۔ الّا یہ کہ اس نے اپنی جانب سے قرض لینے یا ادھار خریدنے کی اجازت دے کر اس ذمہ داری کو مزید وسعت دی ہو

یہ اصول ان مباحث کی روشنی میں واضح ہے جو اوپر کے چار اصولوں کے سلسلے میں سامنے آچکے ہیں۔ چنانچہ استاذ علی الخفیف نے صراحت کی ہے کہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"تمام فقہاء کے نزدیک شرکت عنان کا معاہدہ وکیل (ایجنٹ) بنانے اور امین بنانے کو مستلزم ہے۔ چنانچہ ہر شریک دوسرے شرکاء کا ایجنٹ قرار پاجاتا ہے۔ ان تمام تصرفات میں جو وہ کاروبار کے سرمایے میں کرتا ہے۔ وہ تصرفات جو کاروبار کے دائرے میں داخل ہیں۔ ان تصرفات میں نہیں جو کاروبار کے دائرے سے خارج ہوں۔ یہ بات ان حدود کے اندر رہتے ہوئے

ہی درست ہے جو معاہدے میں شامل شرائط اور ان پابندیوں نے قائم کی ہوں جن پر تمام شرکار کا اتفاق ہے۔ معاہدہ شرکت کی رو سے کوئی شریک دوسرے کے تصرفات سے پیدا ہونے والی، مالی ذمہ داریوں کا مکلف نہیں ہوتا؛ [1]

"جب کوئی شریک ان حدود سے تجاوز کرے جن کا شرکت نے اسے پابند بنایا ہو تو وہ دوسرے شرکار کی نسبت سے ایک اجنبی کی حیثیت رکھے گا اور اس کا یہ تصرف اپنی ذات سے سمجھا جائے گا [2]

حنفی فقہار نے بھی صراحت کی ہے کہ شرکت عنان میں ایک شریک دوسرے کا کفیل نہیں ہوتا [3]

کفیل سے ان کی مراد وہ فرد ہے جو دوسرے کی مالی ذمہ داریوں کی تکمیل کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ شرکت عنان میں کوئی شریک دوسرے شرکار کے ان تصرفات کا ذمہ دار نہیں ہوتا جو کاروبار شرکت کے دائرے سے باہر کیے گئے ہوں۔ کسی شریک کے ذاتی قرضے ادا کرنے یا ذاتی حیثیت میں ادھار خریدے ہوئے مال کی قیمت ادا کرنے کے لیے دوسرے شرکار کے سرمایے کو ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا۔ جہاں تک خود مشترکہ کاروبار کی مالی ذمہ داریوں کا تعلق ہے، ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ عام طور پر وہ سرمایۂ شرکت کے حدود کے اندر ہی ہوں گی اور دوسرے شرکار اگر ان کو اپنی مرضی سے اس حد سے آگے بڑھائیں تو وہ ان ذمہ داریوں کی تکمیل کے مساوی طور پر

---

[1] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی صد ۴۹

[2] ایضاً

ایضاً

[3] مرغینانی: ہدایہ جلد ۲ (شرکت) اور کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ ص ۶۶

پر ذمہ دار ہوں گے۔

کاروبار مضاربت پر اس اصول کا اطلاق واضح ہے۔ مضاربت کے جو احکام اوپر بیان کیے جا چکے ہیں، ان کی روشنی میں صاحب سرمایہ کی مالی ذمہ داری اس کے دیئے ہوئے سرمایہ کے حدود سے اس وقت متجاوز نہ ہو سکتی ہے جب وہ کاروباری فریق کو قرض سرمایہ لے کر یا ادھار مال خرید کر کاروبار میں توسیع کی اجازت دے۔ کاروباری فریق اگر صاحب سرمایہ کی اجازت کے بغیر کوئی ایسا تصرف کرے جس سے کاروبار کی مالی ذمہ داریاں سرمایہ کاروبار سے متجاوز ہوتی ہوں تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی مالی ذمہ داری کاروباری فریق کے کسی ذاتی فعل کی وجہ سے اس پر آئی ہو تو اس کا کاروبار مضاربت سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔

شرکاء یا مالک کی اجازت سے سرمایہ کسی دوسرے فریق کو مضاربت یا شرکت کے اصول پر دینے کی صورت میں بھی اصل کاروبار کی مالی ذمہ داریاں سرمایہ کاروبار کے دائرے میں ہی رہتی ہیں۔ البتہ اگر اس نئے کاروبار میں قرض سرمایہ یا ادھار خریدے ہوئے مال کے ذریعے کاروبار کو آگے بڑھایا جا رہا ہو تو اس سے پہلے کاروبار کی مالی ذمہ داریاں بھی بڑھیں گی۔ اصولی طور پر یہ ضروری ہو گا کہ نئے کاروبار کی یہ توسیع اس کاروبار کے اصحاب سرمایہ کی مرضی کے بغیر نہ ہو جس کے سرمایے کا ایک حصہ نئے کاروبار میں لگایا گیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شرکت اور مضاربت کی سادہ صورتوں میں جب قرض سرمایہ یا ادھار مال کے ذریعہ کاروبار کی توسیع عمل میں لائی جاتی ہے، کاروبار میں شریک اصحاب سرمایہ کی مالی ذمہ داریاں ان کے فراہم کردہ سرمایوں کی حد تک

محدود ہوتی ہیں۔ یعنی خسارہ یا دیوالہ کی صورت میں کسی صاحب سرمایہ کا زیادہ سے زیادہ جو نقصان ہو سکتا ہے وہ اس سرمایے کے بقدر ہو گا۔ البتہ جب مشترکہ کاروبار کو قرض سرمایہ اور ادھار مال کے ذریعے وسیع کیا جائے تو اس کاروبار میں شریک اصحاب سرمایہ کی مالی ذمہ داریاں ان کے سرمایوں سے متجاوز ہوں گی۔ اس تجاوز کے حدود اصحاب سرمایہ کے ان فیصلوں سے متعین ہوں گے جو انہوں نے سرمایہ قرض حاصل کر کے کاروبار میں لگانے یا ادھار مال خرید کر کاروبار کو وسعت دینے کے سلسلے میں کیے ہیں۔

پانچواں باب

مدّتِ کاروبار

شرکت اور مضاربت پر مبنی کاروبار سے متعلق آخری بحث اس کی مدت سے متعلق ہے۔ ذیل میں اس ضمن میں تین اصولی احکام بیان کیے گیے ہیں۔ چونکہ یہ معاہدے معاہدہ کرنے والوں کے آزادانہ اختیار کے تحت عمل میں آتے ہیں اس لیے انہیں ہر وقت اس معاہدے کو ختم کر کے کاروبار بند کر دینے کا اختیار ہوگا۔ البتہ اس امر کا لحاظ کیا جائے گا کہ کاروبار اس طرح ختم کیا جائے کہ ایسا کرنے سے کسی فریق کی حق تلفی نہ لازم آئے۔ دوسرا اصولی حکم اس سوال سے متعلق ہے کہ کیا اس معاہدے کے فریق معاہدہ کرتے وقت یہ طے کر سکتے ہیں کہ یہ معاہدہ ایک مخصوص مدت کے لیے کیا جا رہا ہے جس کے ختم ہونے پر معاہدہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ آخری حکم شرکا معاہدہ میں سے کسی فریق کی موت سے پیدا ہونے والی صورت حال سے متعلق ہے۔

معاہدہ ختم کرنے کا اختیار

۱۰۔ شرکت یا مضاربت کے معاہدے کو کوئی فریق کسی وقت بھی فسخ کر سکتا ہے۔ اگر فریقوں کی تعداد دو سے زائد ہو تو باقی فریقوں کے حق میں معاہدہ قائم رکھا جا سکتا ہے

اس اصول پر تمام فقہاء متفق ہیں، جزئی اختلاف صرف اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب کسی فریق کے اس فیصلے کے وقت کہ معاہدہ ختم کیا جائے۔ کاروبار

کی تحویل میں قابل فروخت اشیاء تجارت ہوں جن کی فروخت عمل میں نہ آئی ہو۔ ایسی صورت میں اختتام معاہدہ اس وقت عمل میں آنا چاہیئے جب ان اشیاء کی فروخت عمل میں آجائے۔

صاحب ہدایہ نے صراحت کی ہے کہ ہر شریک کو اختیار ہے کہ جب چاہے شرکت سے علیحدہ ہوجائے[1] اور سرخسی نے واضح کر دیا ہے کہ یہی اختیار معاہدۂ مضاربت کے ہر فریق کو بھی حاصل ہے[2] لیکن جیسا کہ کاسانی نے لکھا ہے بعض حنفی فقہاء کے نزدیک شرکت میں اور تمام حنفی فقہاء کے نزدیک مضاربت میں یہ ضروری ہے کہ اختتام معاہدہ کے وقت کاروبار کا سرمایہ نقد کی صورت میں منتقل ہو چکا ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

> شرکت ایک غیر لازم جائز معاہدہ ہے جس کے مطابق دونوں شرکاء میں سے ہر ایک کو معاہدہ ختم کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ البتہ معاہدہ ختم کرنے کا فیصلہ اسی وقت درست ہوگا، جب یہ فیصلہ دوسرے فریق کی موجودگی میں یعنی اس کے علم و اطلاع کے ساتھ کیا جائے ...... کیا یہ بھی ضروری ہے کہ شرکت کا مال معاہدہ ختم کرنے کے فیصلے کے وقت نقد کی صورت میں ہو .... طحاوی نے لکھا ہے کہ یہ بھی شرط ہے .... ہمارے ائمہ سے شرکت کی صورت میں اس ضمن میں کوئی روایت نہیں نقل کی گئی ہے

---

[1] مرغینانی: ہدایہ جلد ۲ کتاب الشرکۃ

[2] سرخسی: المبسوط جلد ۲۲ صفحہ ۱۹

البتہ مضاربت کی صورت میں ایک روایت نقل کی گئی ہے ...... چنانچہ طحاوی نے شرکت کو مضاربت کے مثل قرار دیا ہے اور ہمارے بعض اساتذہ شرکت اور مضاربت کے درمیان فرق کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر کاروبار کا مال اشیاء و اجناس کی صورت میں ہو تو بھی شرکت کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے البتہ ایسی صورت میں مضاربت کو ختم کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔" [۱]

مضاربت کی صورت میں تمام حنفی فقہاء کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ معاہدہ ختم کرتے وقت کاروبار کا سارا مال فروخت کر کے نقد کی صورت میں منتقل کیا جا چکا ہو۔ کاسانی نے لکھا ہے کہ:

دونوں میں سے ہر ایک کو یعنی صاحب سرمایہ اور کاروباری فریق کو معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہے لیکن یہ شرط پوری کرتے ہوئے کہ دوسرے فریق کو اس فیصلے کی اطلاع ہو .... اور اس شرط کا پورا ہونا بھی ضروری ہے کہ معاہدہ ختم کرتے وقت مال نقد کی صورت میں آ چکا ہو۔" [۲]

شرکت کی صورت میں مالکی فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، ایک رائے تو وہی ہے جو حنفی فقہاء نے اختیار کی ہے، یعنی شرکت ایک جائز معاہدہ ہے جسے کوئی فریق کسی وقت بھی ختم کر سکتا ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ایک لازم معاہدہ ہے جو اس وقت تک ختم نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ کاروبار تکمیل کو نہ پہنچ جائے

---

[۱] کاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۶ ص ۷۷

[۲] ایضاً ص ۱۰۹

جس کے لیے شرکت کا معاہدہ کیا گیا تھا۔[1]

پہلی رائے ابن رشد کی ہے جس کا اظہار انہوں نے بدایۃ المجتہد میں بھی کیا ہے اور حاشیہ مدونہ میں بھی[2]۔ دوسری رائے اکثر مالکی فقہاء کی ہے، کیونکہ وہ اس معاہدے کو بھی ایک لازم معاہدہ سمجھتے ہیں۔ لازم معاہدہ کی ایک واضح مثال کسی مزدور کو اجرت کے عوض کسی متعین کام کے لیے رکھنے کی ہے۔ معاہدہ کرنے کے بعد مالک کو یہ اختیار نہیں کہ مزدور کو کام کرنے اور پوری اجرت پانے سے روک سکے۔ اسی طرح مزارعت کا معاہدہ بھی ایک لازم معاہدہ ہے۔ معاہدہ کرنے کے بعد زمین کا مالک فصل تیار ہو کر کٹ جانے سے پہلے کسی درمیانی مرحلے میں معاہدے کو ختم نہیں کر سکتا۔ ان مالکی فقہاء کے نزدیک شرکت کا معاہدہ بھی یہی نوعیت رکھتا ہے[3]۔

مضاربت کی صورت میں تمام مالکی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کوئی فریق اس معاہدے کو کسی وقت بھی ختم کر سکتا ہے۔ البتہ اگر اس فیصلے کے وقت کچھ مال اشیاء (واجناس) کی صورت میں ہے، یا کوئی کاروباری عمل شروع کیا جا چکا ہے ــــ مثلاً کاروباری فریق مال کی فروخت کے لیے کسی دوسری جگہ کے سفر کا آغاز کر چکا ہے۔ تو اشیاء کی

---

[1] تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی ص ۵۱-۵۲

[2] ابن رشد، بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۲۵۶۔ مدونہ میں ظاہر کی ہوئی رائے احمد الدردیر نے الشرح الصغیر جلد ۲ ص ۱۵۵ پر نقل کی ہے۔

[3] ملاحظہ ہو احمد الدردیر، الشرح الصغیر جلد ۲ صفحات ۱۵۳-۱۵۵ اور شیخ احمد الصاوی۔ بلغۃ السالک لاقرب المسالک جلد ۲ صفحات ۱۵۳ ــ ۱۵۵

فروخت اور کاروباری عمل کی تکمیل کر کے معاہدہ ختم کیا جائے گا۔ اس سے پہلے نہیں۔ یہ حکم امام مالک نے موطا میں بھی روایت کیا ہے[1] اسی روایت کی شرح میں زرقانی نے یہ لکھا ہے کہ :۔

"خلاصہ یہ کہ ہر فریق کو کاروبار کے عملاً شروع ہونے سے پہلے معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے بعد اس وقت تک یہ اختیار نہیں جب تک پھر یہ مال نقد سرمایہ کی صورت میں نہ آ جائے۔ جس صورت میں کہ وہ لیا گیا تھا۔"[2]

اور احمد الدردیر نے یہ لکھا ہے :۔

"صاحب سرمایہ اور کاروباری فریق دونوں کو عملاً کاروبار شروع ہونے سے پہلے معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہے .... بصورت دیگر یعنی اس کے اسی مقام پر کاروبار کرنے یا سفر پر چلے جانے کی صورت میں مال کے نقد کی شکل میں آ جانے یعنی اشیاء کے فروخت ہو چکنے پر معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔"[3]

خلاصہ یہ کہ اگر کسی فریق نے معاہدہ ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو اسے دوسرے فریق کو اتنی مہلت دینی ہوگی کہ وہ اشیاء و اجناس کو فروخت کر کے کاروبار کے سرمایہ کو نقد کی صورت میں منتقل کر دے۔

شافعی فقہاء کے نزدیک شرکت اور مضاربت دونوں معاہدوں کو کوئی فریق

---

[1] امام مالک : موطا۔ کتاب القراض۔ باب مالا یجوز من الشرط فی القراض

[2] محمد الزرقانی : شرح موطا۔ کتاب القراض۔ باب مالا یجوز من الشرط فی القراض

[3] احمد الدردیر : الشرح الصغیر۔ جلد ۲ ص ۲۳۵

کسی وقت بھی ختم کر سکتا ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں :۔

"ہر شریک جب چاہے شرکت کا معاہدہ ختم کر سکتا ہے" ؎۱

اور

"مضاربت میں ہر فریق کو مضاربت ختم کر دینے کا اختیار ہے" ؎۲

امام غزالی نے بھی یہی حکم بیان کیا ہے کہ :

"مضاربت ایک جائز معاہدہ ہے جو فریقین میں سے کسی ایک کے ختم کرنے سے ختم ہو جاتا ہے" ؎۳

یہی مسلک حنبلی فقہاء کا بھی ہے ۔

"شرکت جائز معاہدوں میں سے ہے جو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی ایک شریک کے ختم کرنے سے ختم ہو جاتا ہے" ؎۴

"مضاربت جائز معاہدوں میں سے ہے۔ کسی ایک فریق کے ختم کرنے سے ختم ہو جائے گا۔ خواہ جو فریق بھی ایسا کرے" ؎۵

معاہدہ ختم کرنے کے لیے حنفی اور مالکی فقہاء نے جو شرط لگائی ہے وہ ہمارے

؎۱ نووی: منہاج ص۵۶

؎۲ ایضاً ص۶۵

؎۳ غزالی ۔ کتاب الوجیز جلد ۱ ص۲۲۵

؎۴ ابن قدامہ :۔ المغنی جلد ۵ ص۱۳۳

؎۵ ایضاً ص۱۷۹

نزدیک ایک معقول شرط ہے۔ بالخصوص مضاربت کے معاہدے میں فریقین کے درمیان حساب فہمی کے لیے اور عدل وانصاف قائم رکھنے کے لیے اس کی پابندی ضروری ہے۔ مضاربت کی صورت میں اگر کوئی فریق دوران کاروبار معاہدہ ختم کرنے کا فیصلہ کرے تو اس بات کا اہتمام کیا جانا چاہیے کہ کاروبار کو جلد ختم کر دیا جائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہ ہونا چاہیے کہ اگر اثیاء واجناس کو فوراً فروخت کرنے میں خسارہ ہو تو بھی ایسا کیا جائے۔ بلکہ معروف کے مطابق رفتہ رفتہ کاروبار کو اس طرح ختم کرنا چاہیے کہ کوئی ایسا نقصان نہ اٹھانا پڑے جس سے بچا جا سکتا ہو۔ البتہ جب مضاربت میں کاروباری فریقوں یا اصحاب سرمایہ کی تعداد ایک سے زائد ہو اور معاہدہ ختم کرنے کا فیصلہ صرف ایک فریق کر رہا ہو تو تمام فریقوں کی رضامندی سے یہ ممکن ہونا چاہیے کہ کاروبار جاری رکھتے ہوئے بھی اس فریق کا حساب صاف کر کے اس کے حق میں معاہدہ ختم کر دیا جائے۔

شرکت کی صورت میں بھی اگر شرکاء کی تعداد دو سے زیادہ ہو تو اسی قاعدے پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر شرکاء کی تعداد صرف دو ہو اور دونوں اس بات پر راضی ہوں کہ وہ کاروبار کی تکمیل کے بغیر اس کے اثاثے نقد، اشیاء واجناس اور آلات عمل ۔ کو باہم تقسیم کر کے معاہدہ ختم کر لیں تو اس کی پوری گنجائش ہونی چاہیے۔ ایسی صورت میں ہمیں ان مالکی فقہاء کی رائے سے اتفاق نہ ہو گا جو مشترکہ کاروبار کے لیے تکمیل ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس مسئلے یعنی مشترکہ کاروبار کو ختم کرنے کے سلسلے میں اصولی بات یہی ہے کہ ہر فریق کو ہر وقت اس کی آزادی ہونی چاہیے اور اس آزادی کو صرف اس صورت میں اسی حد تک محدود ہونا چاہیے جب اس سے دوسرے فریقوں کے مفادات پر قابل لحاظ اثر پڑتا ہو۔

باہمی رضامندی سے اختتام معاہدہ کا اختیار ہر وقت حاصل ہونا چاہیئے خواہ کاروبار کا سرمایہ نقد کی صورت میں ہو یا اشیاء و اجناس کی صورت میں البتہ اگر کسی فریق کو اس طرح معاہدہ ختم کرنے سے اپنے مفادات مجروح ہوتے نظر آئیں تو اسے اس بات پر اصرار کا حق ہوگا کہ پہلے کاروبار کا سرمایہ نقد کی صورت میں منتقل کر لیا جائے تب حساب کتاب کیا جائے۔ جب فریقوں کی تعداد دو سے زیادہ ہو تو ایک فریق کے اس حق کو بھی معقول حدود کے اندر ہی رکھنا چاہیئے۔ ان حدود کی تعیین شرکاء کی تعداد، مشترکہ سرمایے میں اس فریق کے حصے اور کاروبار کی نوعیت کو سامنے رکھ کر ہی کی جاسکتی ہے

شرکت اور مضاربت پر بحث کرتے وقت ہمارے فقہاء نے جو مثالیں دی ہیں وہ زیادہ تر خالص تجارتی کاروبار سے متعلق ہیں۔ انہوں نے صنعتی کاروبار کو سامنے نہیں رکھا ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ واضح کریں گے، شرکت اور مضاربت کے اصول پر صنعتی کاروبار بھی کیا جاسکتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ کسی صنعتی کاروبار کو اس طرح ختم کرنا کہ کاروبار کا پورا سرمایہ نقد کی شکل اختیار کرے اتنا آسان نہیں جتنا کسی تجارتی کاروبار کو ختم کرنا ہے۔ دوسری طرف دورِ جدید میں کسی جاری کاروبار کی مالیت کی تعیین میں زیادہ دشواری نہیں، اگرچہ اس میں اختلاف کی کافی گنجائش ہے۔ ان دونوں حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے مناسب ہوگا کہ یہ اصول وضع کیا جائے کہ اگر تمام فریق راضی ہوں تو کسی ایک فریق کی شرکت یا مضاربت سے علیحدگی کی صورت میں یہ کافی ہوگا کہ کاروبار کی مالیت کسی ایسے ماہر سے متعین کرالی جائے جس کے انتخاب پر تمام فریق راضی ہوں اور اسی مالیت کو بنیاد بنا کر اس فریق کا حساب صاف کیا جائے۔

یہ بات کہ شرکاء کی تعداد، یا مضاربت کے معاہدے میں فریقوں کی تعداد، دو

سے زیادہ ہو تو ایک فریق کی علیحدگی کے باوجود باقی فریقوں کے حق میں معاہدہ قائم رکھا جا سکتا ہے۔ تمام فقہی مکاتب کے اصولوں سے ہم آہنگ ہے۔ استاذ علی الخفیف نے شرکت اور مضاربت کے اختتام کے مسئلے میں تمام فقہاء کا مسلک بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ

> جب متعدد شرکاء فریق معاہدہ ہوں اور ان میں سے ایک اسے ختم کر دے یا اس کے ساتھی اسے شرکت سے علیحدہ کر دینے کا فیصلہ کر لیں تو یہ فیصلہ صرف اس فریق کے حصے میں نافذ ہوگا اور باقی شرکاء کے حصے کی حد تک شرکت طے شدہ شرائط کے مطابق قائم رہے گی۔[1]

اس ضمن میں ہمیں چاروں مکاتب فقہ کے مآخذ میں صریح بیانات نہ مل سکے جس کا سبب بڑی حد تک یہ ہے کہ پوری بحث میں مثال کے طور پر معاہدے کی اس صورت کو سامنے رکھا گیا ہے جس میں دو فریق باہم معاہدہ کرتے ہیں۔ البتہ اس بات کی صراحت علیحدہ سے ملتی ہے کہ شرکاء کی تعداد دو سے زائد ہو سکتی ہے اور اسی طرح مضاربت میں سرمایہ فراہم کرنے یا کاروبار کرنے کا کام ایک سے زائد افراد کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں فقہی مآخذ کے حوالے اوپر دیئے جا چکے ہیں۔

متعین مدت کے لیے معاہدہ

(۱۱) شرکت یا مضاربت کا معاہدہ متعین مدت کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔

متعین مدت کے لیے معاہدہ کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اس مدت کے اختتام پر معاہدہ کسی نئے فیصلے کے بغیر خود بخود ختم ہو جائے۔ حنفی اور حنبلی فقہاء اور ایک

---

[1] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی ص ۱۱۱

لینے کے مطابق شافعی فقہاء کے نزدیک ایسا کیا جا سکتا ہے لیکن مالکی فقہاء کے نزدیک تعیین مدت سے معاہدہ فاسد ہو جائے گا۔ رہا یہ سوال کہ متعین مدتوں کے لیے معاہدہ کرنے کی صورت میں اس مدت کی تکمیل سے پہلے کسی فریق کو معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟ تو اس کا جواب تمام فقہاء متفقہ طور پر یہ دیتے ہیں کہ اسے یہ اختیار ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں زیر غور اصول اس اصول کے تحت نافذ ہوگا اسے منسوخ نہیں کر سکے گا۔ جس کا مطالعہ ہم نے اس سے پہلے کیا ہے۔ یعنی ہر فریق کو ہر وقت معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔

حنفی محقق ابومسعود کاسانی نے لکھا ہے

"اگر صاحب سرمایہ یہ کہے کہ یہ سرمایہ مضاربت کے اصول پر ایک سال کے لیے ہے تو ہمارے نزدیک مضاربت صحیح ہوگی اور شافعی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ مضاربت فاسد ہو جائے گی۔ ان کی رائے کی بنیاد یہ ہے کہ جب مالک نے مضاربت کے لیے مدت مقرر کر دی تو ممکن ہے اس مدت میں کاروبار نہ ہو سکے اور ایسا ہوا تو معاہدہ سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ مضاربت وکیل و ایجنٹ بنانے کے مترادف ہے اور وکیل بناتے وقت مدت کی تعیین کی جا سکتی ہے۔"[1]

کاسانی نے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہی حکم شرکت کا بھی ہے[2]

حنبلی فقیہ ابن قدامہ نے بھی یہی لکھا ہے:۔

---

[1] بدائع الصنائع جلد ۶ صفحہ 99

[2] ایضاً ․․․ صفحہ ۷۷

"مضاربت کے لیے وقت کی تعیین جائز ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ میں نے ان درہموں پر تمہارے ساتھ ایک سال کے لیے مضاربت کا معاہدہ کیا، لہٰذا جب یہ مدت پوری ہو جائے تو مزید خرید و فروخت نہ کرنا" [1]

ابن قدامہ نے شرکت کے سلسلے میں اس حکم کی صراحت نہیں کی ہے۔ لیکن حنابلہ کے نزدیک شرکت اور مضاربت کے احکام اکثر مسائل میں ایک سے ہیں اور استاذ علی الخفیف نے لکھا ہے کہ شرکت کی صورت میں بھی حنابلہ مدت کی تعیین درست سمجھتے ہیں۔ [2]

ابن قدامہ نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مدت کی تعیین کے باوجود کسی فریق کا یہ اختیار ختم نہیں ہو جاتا کہ وہ جب چاہے معاہدے کو ختم کر دے۔ وہ لکھتے ہیں

"فاسد شرطوں کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی وہ جو معاہدہ کے منشا کے منافی ہوں۔ مثلاً یہ شرط طے کرنا کہ مضاربت لازمی ہے یا یہ کہ ایک متعین مدت تک کوئی فریق دوسرے کو معزول نہ کر سکے گا" [3]

شافعی فقہاء کی طرف اس سلسلے میں دو رائیں منسوب ہیں جیسا کہ ذیل کے اقتباسات سے واضح ہے۔

"مضاربت کے لیے مدت کا بیان ضروری نہیں۔ اگر کسی مدت کا ذکر کیا گیا اور اس کے بعد کاروباری فریق کے لیے تصرفات ممنوع قرار دے دیئے گیے تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا۔ البتہ اس مدت کے بعد اگر اسے مزید مال خریدنے

---

[1] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ ص۱۸۵

[2] علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی ص۴۲

[3] ابن قدامہ: المغنی جلد ۵ ص۱۸۶

سے منع کر دیا جائے تو زیادہ صحیح رائے کے مطابق معاہدہ فاسد نہیں ہوگا۔[1]

امام نووی نے جس رائے کو ترجیح دی ہے اس کی وجہ امام غزالی نے یہ بتائی ہے کہ صاحب سرمایہ کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کاروباری فریق کو مزید مال خریدنے سے روک دے۔ اس لیے اس کے لیے ایک وقت پہلے سے بھی متعین کیا جا سکتا ہے۔[2]

یہی بات ضروری استدلال کے ساتھ ایک دوسرے شافعی محقق نے لکھی ہے۔

شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ شرط طے کرنا درست نہیں کہ (مضاربت) ایک متعین وقت تک رہے گی۔ ہمارے بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس میں مدت کی تعیین اس لیے درست نہیں کہ یہ معاہدہ ایک معاوضہ پر کیے جانے والے کام سے متعلق ہے اس لیے تعیین مدت سے باطل ہو جائے گا۔ جیسا کہ خرید و فروخت یا نکاح کے معاہدوں کا حکم ہے۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر اس نے تعیین مدت کے ساتھ معاہدہ اس طور پر کیا ہے کہ کاروباری فریق اس مدت کے بعد کوئی چیز فروخت نہ کرے گا تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ کاروباری فریق کو نفع کمانے کے لیے فروخت کا حق حاصل ہے جب مالک نے فروخت سے از روئے شرط منع کر دیا تو ایسی چیز طے کی جو معاہدہ مضاربت کے تقاضے کے خلاف ہے۔ اگر اس نے تعیین

---

[1] نووی: منہاج ص ۶۴

[2] غزالی: کتاب الوجیز جلد ۱ ص ۲۲۴

مدت کے ساتھ معاہدہ اس طور پر کیا ہے کہ وہ اس مدت کے بعد مزید خریداری نہ کرے گا تو درست ہو گا کیونکہ صاحب سرمایہ کو اختیار ہے کہ جب چاہے خریداری سے روک دے۔ لہٰذا جب اس نے خریداری سے ممانعت کی شرائط کی تو ایسی شرط کی جس کا اسے معاہدہ مضاربت کی رو سے پورا حق حاصل ہے۔ یہ شرط صحت معاہدہ میں مانع نہ ہو گی" لہ

یہ مسلک عملاً اس مسلک سے زیادہ مختلف نہیں جو حنبلی اور حنفی فقہاء نے اختیار کیا ہے۔ اگر اختتام معاہدہ کا وقت آ گیا اور کچھ اشیاء فروخت ہونا باقی ہیں تو اس میں کسی کو اختلاف نہ ہو گا کہ کاروباری فریق کو ان اشیاء کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے۔ حنفی اور حنبلی مسلک کے مطابق کاروباری فریق کو مدت گذرنے سے پہلے مزید مال خریدنا بند کر کے ایسے اقدامات کرنے چاہئیں کہ اختتام مدت پر کاروبار کا سرمایہ اشیاء کی فروخت کے ذریعے نقد کی صورت میں آ جائے۔ شافعی فقہاء کے مذکورہ بالا مسلک کے مطابق بھی مدت پوری ہونے پر کاروباری فریق مزید مال خریدنا بند کر دے گا اور اب موجودہ مال فروخت کر کے حسابات صاف کر لینے کے علاوہ کوئی اور کام نہ رہ جائے گا۔

شرکت کے سلسلے میں شافعی فقہاء کا کوئی واضح بیان نہ مل سکا۔

مالکی فقہ میں بھی مضاربت کے لیے مدت کی تعیین جائز نہیں۔ موطا میں روایت کی گئی ہے کہ

لہ ابو اسحٰق ابراہیم بن یوسف ۔ کتاب المہذب جلد ۱ صفحہ ۳۹۰

امام مالک کہتے ہیں جو شخص مضاربت پہ سرمایہ حاصل کرے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ یہ شرط طے کرے کہ وہ چند برسوں تک اس سرمایے سے کاروبار کرے گا جس کے دوران اس سے یہ سرمایہ واپس نہ لیا جا سکے گا۔ صاحب سرمایہ کے لیے بھی درست نہیں کہ وہ یہ شرط طے کرے کہ تم (کاروباری فریق) اسے چند برسوں تک واپس نہیں کرو گے، یا ایک ایسے وقت تک جسے وہ متعین کر لیں۔ کیونکہ مضاربت کا معاہدہ متعین مدت کے لیے نہیں ہوتا بلکہ (صحیح طریقہ یہ ہے کہ) صاحب سرمایہ یا سرمایہ اس شخص کے حوالے کر دے جسے اس کے ذریعے کاروبار کرنا ہے۔ پھر اگر دونوں میں سے کسی کی رائے یہ ہوتی ہے کہ معاہدہ ختم کر دے اور ابھی سرمایہ نقد کی صورت میں موجود ہے اس سے کوئی چیز خریدی نہ گئی ہو، تو وہ مضاربت ترک کر سکتا ہے اور مالک اپنا سرمایہ واپس لے لے گا۔ اگر اس سرمایہ سے اشیاء تجارت خریدی گئیں اور اس کے بعد صاحب سرمایہ کی رائے یہ ہوئی کہ وہ سرمایے کو واپس لے لے تو اسے اس وقت تک ایسا کرنے کا اختیار نہیں جب تک یہ اشیاء فروخت نہ ہو جائیں اور سرمایہ پھر نقد کی صورت نہ اختیار کر لے۔ اگر کاروباری فریق اسے واپس کرنا چاہتا ہے۔ مگر سرمایہ اشیاء و اجناس کی صورت میں ہے تو وہ اس وقت تک ایسا نہیں کر سکتا جب تک انہیں فروخت کر کے نقد کی شکل میں نہ واپس کرے۔ جس شکل میں کہ اس نے اسے حاصل کیا تھا۔[۱]

اس اصول کا اطلاق شرکت پہ بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کی عبارت سے واضح ہے

---

[۱] امام مالک: موطا۔ کتاب القراض۔ باب مالا یجوز من الشرط فی القراض

ایسی شرکت یا مضاربت جس میں کاروبار کے آغاز یا انتہا کے لیے وقت کی تعیین کر دی گئی ہو مثلاً آج کی تاریخ سے سال بھر کاروبار کرو، یا جب فلاں وقت آجائے تب کاروبار شروع کرنا، فاسد ہوگی کیونکہ اس میں مضاربت کے معروف طریقے کے خلاف ایک پابندی عائد کر دی گئی ہے۔[1]

تعیینِ مدت کو ناجائز قرار دینے کی دلیل مالکی فقہاء نے یہ دی ہے کہ جیسا کہ امام مالک نے لکھا ہے، قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں مضاربت کا معاہدہ معین مدت کے لیے نہیں کیا جاتا تھا۔ ہمیں اس دلیل کا وزن تسلیم کرنے سے انکار ہے، کیونکہ کسی طریقے کا نارائج ہونا اس کے غلط ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ کسی طریقے کو غلط قرار دینے کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس میں کیا خرابی ہے یا وہ کس اصول سے ٹکراتا ہے، حنفی اور حنبلی فقہاء کے مسلک کے خلاف ہمیں کوئی وزنی دلیل نہ مل سکی۔ اس کے برعکس مالکی فقہاء کا یہ موقف کمزور معلوم ہوتا ہے کہ اگر فریقین راضی ہوں تو بھی وہ ایک متعین مدت کے لیے معاہدہ نہیں کر سکتے۔

جیسا کہ ایک حنبلی محقق نے لکھا ہے، اصول کا تقاضا یہی ہے کہ تعیینِ مدت کو جائز سمجھا جائے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ...... جس طرح وکالت (ایجنٹ بنانے) میں زمانی تحدید درست ہے اسی طرح مضاربت بھی درست ہے ..... مزید دلیل یہ ہے کہ صاحبِ سرمایہ ہر وقت یہ اختیار رکھتا ہے کہ اگر وہ اپنے سرمایے کے عوض اشیاء و اجناس واپس لینے پر تیار ہو تو کاروباری فریق کو جملہ کاروباری تصرفات سے روک،

---

[1] احمد الدردیر، الشرح الصغیر جلد ۱ صفحہ ۲۲

دے۔ اب اگر وہ اس بات کو شرط کے طور پر طے کر لیتا ہے تو ایسی شرط طے کرنا ہے جو معاہدے کے منشا کے مطابق ہے۔ لہٰذا درست ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کہ وہ یہ کہے کہ جب سال پورا ہو جائے تو پھر تم کوئی چیز نہ خریدنا اس کے درست ہونے کو سب نے تسلیم کیا ہے" [1]

یہ ایک معقول بات ہے کہ اگر سرمایہ کے مالک کو اس بات پر اصرار نہ ہو کہ اس کا سرمایہ نقد ہی کی صورت میں واپس ملنا چاہیئے بلکہ وہ اس پر راضی ہو کہ اشیاء کے موجودہ نرخ کے مطابق کاروبار مضاربت کے نفع کی تعیین کر کے کاروباری فریق کا حساب صاف کر دیا جائے اور خود وہ اپنے سرمایہ کو اس شکل میں واپس لے لے جس شکل میں وہ عملاً موجود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ طے شدہ وقت پر معاہدہ ختم کر دیا جائے۔ مزید برآں جیسا کہ ہم گذشتہ بحث میں واضح کر چکے ہیں، اس بات کی پوری گنجائش ہے کہ معاہدہ وقت مقررہ پر ختم کرنے کی بجائے اتنے عرصے اور قائم رکھا جائے جتنے عرصے میں اشیاء کی فروخت عمل میں لا کر سرمایہ کو نقد کی صورت میں منتقل کیا جا سکتا ہو۔

ہمارے نزدیک تعیین مدت کے سلسلے میں وہی مسلک زیادہ صحیح اور قابل ترجیح ہے جو حنفی اور حنبلی فقہاء نے اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر واضح کیا ہے۔ شافعی فقہاء کی رائے بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔

متعینہ مدت سے پہلے کاروبار ختم کرنے کا اختیار

مذکورہ بالا دسویں اصول کے مطابق تمام فقہاء کے نزدیک تعیین مدت کی صورت میں بھی ہر فریق کو ہر وقت معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔ حنبلی اور مالکی فقہاء کے مذکورہ بالا

---

[1] احمد بن قدامہ المقدسی: الشرح الکبیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۶

اقتباسات میں اس کی صراحت بھی ملتی ہے کہ اگر فریقین وقت مقررہ سے پہلے معاہدہ نہ ختم کر سکنا از روئے معاہدہ لازم کر لیں تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا۔ ہماری رائے یہ ہے کہ تجارتی کاروبار اور صنعتی کاروبار کی نوعیت میں جو اصولی فرق ہے اس کے پیش نظر اس مسئلے پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر اس مسئلے پر از سر نو غور کرنے کی پوری گنجائش بھی ہے کہ فقہاء کی اس متفقہ رائے کی بنیاد قرآن وسنت کی کوئی نص صریح نہیں بلکہ تجارتی کاروبار کے مصالح ہیں، نیز ان کی آزادی کاروبار کے برقرار رکھنے کے لیے یہ موقف اختیار کیا گیا ہے، جیسا کہ ان فقہا کے اس استدلال سے واضح ہے جو انہوں نے یہ اصول بیان کرتے وقت پیش رکھا ہے۔ دوسرے مسائل میں جہاں مصالح کا تقاضا دوسرا تھا۔ انہوں نے اس سے مختلف رائے اختیار کی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال مزارعت اور مساقاۃ کے معاہدے ہیں۔

زرعی کاروبار کی نوعیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اگر یہ کاروبار مشترکہ طور پر کیا جا رہا ہو تو ایک بار معاہدہ کر لینے کے بعد اس وقت تک اسے ختم نہ کیا جائے جب تک فصل تیار ہو کر قابل فروخت نہ ہو جائے۔ اسی لیے تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مزارعت کا معاہدہ ایک لازم معاہدہ ہے جو تکمیل زراعت سے پہلے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

صنعتی کاروبار کی نوعیت بھی ایک حد تک ایسی ہی ہے۔ اگر ایک کاروباری فریق کو کسی صاحب سرمایہ نے کارخانہ قائم کر کے مصنوعات کی تیاری اور فروخت کے ذریعے نفع کمانے کے لیے مضاربت کے اصول پر سرمایہ دیا ہو تو کاروباری فریق کو یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ پیداواری عمل کی تکمیل سے پہلے یہ معاہدہ ختم نہیں کیا جائے گا۔ اگر مضاربت سے متعلق قوانین میں اس کی رعایت نہیں ملحوظ رکھی گئی تو صنعتی

کاروبار کے لیے مضاربت کے اصول پہ سرمایہ حاصل کرنے کا امکان بہت کم رہ جائے گا - اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پیداداری عمل کی تکمیل سے پہلے معاہدہ ختم کرنے میں کاروباری فریق کے ساتھ انصاف برتنے کا امکان کم ہو جائے گا اور اکثر اوقات یہ قدام صاحب سرمایہ کے لیے بھی نقصان دہ ہوگا

دورِ جدید میں اکثر کاروبار صنعتی نوعیت کے کاروبار ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں مناسب ہوگا کہ متعین مدت کے لیے شرکت اور مضاربت کے معاہدے کرنے کے ساتھ اس بات کو بھی جائز قرار دیا جائے کہ اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے کسی ایک فریق کو معاہدہ ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ البتہ تمام فریق راضی ہوں تو ایسا کیا جا سکے گا۔ اس رائے کو اختیار کر لینے کے بعد یہ ممکن ہو جائے گا کہ شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر صنعتی کاروبار منظم کیا جا سکے۔ اس کو رد کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صنعتی کاروبار صرف ذاتی سرمایہ سے کیے جا سکیں گے۔ کیونکہ سود کی حرمت کے بعد نفع آور کاروبار میں متعدد اصحاب سرمایہ کے سرمایوں کا لگایا جانا شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر ہی ممکن ہے۔

جدید معیشت سے ابتدائی درجے کی واقفیت بھی یہ سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ صنعتی کاروبار کے لیے جتنے بڑے پیمانے پہ کاروبار کرنے اور جتنا کثیر سرمایہ یک جا کر کے ایک کاروبار میں لگانے کی ضرورت ہے وہ انفرادی وسائل کے بل بوتے پہ نہیں ممکن ہو سکتا۔ اس کے لیے متعدد اصحاب سرمایہ کا اشتراک ضروری ہے۔

باہمی رضامندی سے یہ طے کرنا کہ جب تک تمام شرکار کار راضی نہ ہوں کوئی شریک ایک متعین مدت سے پہلے مشترکہ کاروبار سے علیحدگی نہ اختیار کرے گا شریعت کے

کسی اصول سے نہیں ٹکراتا۔ اس سے شرکارانہ کی آزادی کاروبار ضرور محدود ہوتی ہے لیکن ہر فرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی کاروباری آزادی کو کسی معاہدے کے ذریعے پابند کر لے۔ جو کسی کاشتکار کو زمین اور بیج یا آلات زراعت فراہم کرکے اس کے ساتھ مزارعت کا معاہدہ کرتا ہے وہ چند مہینوں کے لیے اس زمین اور اس سرمایہ پر جو آلات زراعت یا بیج کی فراہمی میں لگایا گیا ہے تصرف سے محروم ہو جاتا ہے لیکن یہ خود عائد کردہ پابندی معاہدہ مزارعت کو ناجائز نہیں قرار دے دیتی۔ اس طرح اگر ایک کارخانہ دار کو ایک صاحب سرمایہ مضاربت کے اصول پر ایک سال کے لیے سرمایہ فراہم کرتا ہے اور خود کو سال بھر تک اس سرمایہ پر تصرف سے محروم کر لیتا ہے تو اس سے یہ معاہدہ مضاربت ناجائز نہیں ہو جانا چاہیے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے، ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی کے ماہرین اور اسلامی معاشیات کے طلبہ زیرِ غور مسئلے پر جدید حالات کو سامنے رکھ کر از سر نو رائے قائم کریں ہمارے نزدیک یہ رائے یہ ہونی چاہیے کہ شرکت اور مضاربت کے معاہدے اس شرط کے ساتھ بھی کیے جا سکتے ہیں کہ ایک متعین مدت تک کسی فریق کو معاہدہ ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

یہ رائے تجویز کرنے کے باوجود ہم دسویں اصول کو علیٰ حالہ برقرار رکھیں گے۔ ہمارا موقف یہ ہوگا کہ جب تک معاہدہ مضاربت میں صراحت کے ساتھ یہ شرط طے نہ کی جائے کہ ایک متعین مدت تک کے لیے ہر فریق معاہدہ ختم کرنے کے اس اختیار سے دست بردار ہوتا ہے جو اسے حاصل تھا تب تک ہر فریق کے اختیارات وہی ہوں گے جو دسویں اصول میں بیان کیے گئے ہیں یعنی اسے کسی وقت بھی معاہدہ ختم کر دینے کا اختیار ہوگا۔

اختتام معاہدہ بسبب موت

(۱۴) شرکت یا مضاربت کا معاہدہ کسی ایک فریق کی موت سے ختم ہو جاتا ہے۔ اگر فریقوں کی تعداد دو سے زائد ہو تو باقی فریقوں کے حق میں معاہدہ قائم رکھا جاسکتا ہے یہ حکم تمام مکاتیب فقہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ جیساکہ ذیل کے اقتباسات سے واضح ہے۔

استاذ علی الخفیف تمام فقہار کا متفقہ مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جب کوئی شریک انتقال کر جائے تو اس کے حصے کی حد تک معاہدۂ شرکت ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ حصہ وراثت میں اس کے وارث کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لہذا مورث کا کیا ہوا معاہدہ اب کالعدم ہو جاتا ہے۔ یہی حکم مضاربت میں صاحب سرمایہ یا کاروباری فریق کی موت کا ہے۔

اس اصول کے مطابق اگر شرکت تین افراد کے درمیان تھی اور ان میں سے ایک کی موت واقع ہو گئی تو صرف اس شریک کے حصے کی حد تک شرکت ختم ہو جائے گی۔ باقی دو شرکار کے حصے میں نہیں ختم ہو گی۔" ؎

حنفی فقیہہ کاسانی نے اس مسلک کے حق میں دلیل بھی پیش کی ہے۔

ان باتوں کا بیان جن سے شرکت کا معاہدہ ختم ہو جاتا ہے ...... ان میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں میں سے جو ایک بھی وفات پا جائے گا شرکت فسخ ہو جائے گی۔ کیونکہ ملکیت اور تصرف کی اہلیت موت کے سبب زائل ہو جاتی ہے۔ خواہ اس کے شریک کو اس کی موت کا علم ہو یا

؎ علی الخفیف: الشرکات فی الفقہ الاسلامی۔ صفحہ ۱۰۳

نہ ہو"۔ [1]

مضاربت کا حکم بھی یہی ہے :

"فریقین میں سے کسی ایک کی موت سے معاہدہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ مضاربت میں ایجنٹ بنانا شامل ہے اور ایجنسی ایجنٹ بنانے والے یا ایجنٹ کی موت سے ختم ہو جاتی ہے۔ خواہ کاروباری فریق کو صاحب سرمایہ کی موت کا علم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ یہ قانوناً معزولی ہے جو علم و اطلاع پر موقوف نہیں۔ ایسا ہی ایجنٹ بنانے میں ہوتا ہے۔ البتہ اگر سرمایہ اشیاء تجارت کی شکل میں ہو تو ایجنٹ کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے فروخت کرے تاکہ وہ نقد کی صورت میں آجائے"۔ [2]

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ واضح ہے کہ کسی فریق کی موت کی صورت میں بھی اگر کاروبار کے مفاد یا حسابات کی صفائی کا تقاضا ہے کہ کاروبار بند کر کے حسابات صاف کرنے سے پہلے فریق ثانی کو کچھ اور مہلت دی جائے تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔

استاذ علی الخفیف نے تمام فقہا کا جو مسلک بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ مالکی فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے۔ مضاربت کے سلسلے میں حسب ذیل صراحت ملتی ہے۔

"اور جو وفات پا جائے اور اس کی جانب (یعنی اس کے پاس مضاربت پر لیا ہوا مال ہو .... تو اگر یہ مال اس کے ترکے میں بعینہ پایا گیا اور یہ بات ثابت ہو

---

[1] کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶ صفحہ

[2] ایضاً ایضاً صفحہ ۱۱۲

گئی تو لٹ بعینہ لے لیا جائے گا اور اگر بعینہ نہیں پایا گیا تو اس کے ترکے میں سے اسی طرح کا مال یا اس کی قیمت لی جائے گی ۔ [۱]

احمد الدردیر یا ان کے شارح شیخ احمد الصاوی نے شرکت کے سلسلے میں کوئی صراحت نہیں کی ہے ۔ البتہ ابن رشد نے اس بات کو تمام فقہار کا متفقہ مسلک بتایا ہے کہ معاہدۂ شرکت وارث کے حق میں نہیں قائم رہتا ۔ [۲]

شافعی فقہار کے یہاں حسب ذیل صراحت ملتی ہے ۔

" شرکت دونوں شرکار میں سے کسی ایک کی موت سے ختم ہو جاتی ہے ۔" [۳]

" اگر فریقین میں سے کوئی مر جائے ..... تو معاہدہ ختم ہو جاتا ہے ۔" [۴]

" اور مضاربت کی صورت میں بھی مضاربت ایک جائز معاہدہ ہے جو فریقین میں سے کسی ایک کے ختم کر دینے سے یا اس کی موت سے ختم ہو جاتا ہے ...... اگر صاحب سرمایہ مر جائے تو اس کے وارث کو حق ہے کہ مال کو فروخت کرنے کا مطالبہ کرے ۔ اگر مال نقد کی صورت میں موجود ہو تو اسے یہ بھی اختیار ہے کہ معاہدے کی تجدید کر دے ۔" [۵]

---

[۱] احمد الدردیر : الشرح الصغیر ؛ جلد ۲ صفحہ ۲۳۶

[۲] ابن رشد : بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۲۵۶

[۳] نووی : منہاج صفحہ ۶۲

[۴] ایضاً صفحہ ۶۵

[۵] غزالی : کتاب الوجیز جلد ۱ صفحہ ۲۲۵

حنبلی فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے ۔

"اگر دو شرکاء میں سے ایک انتقال کر جائے اور اس کا کوئی سمجھ دار وارث ہو تو اسے اس بات کا حق ہو گا کہ شرکت کو قائم رکھے اور اس کا شریک اسے تصرفات کی اجازت دے گا۔ اسے اس بات کا اختیار ہو گا کہ وہ (کاروبار کو ختم کرنے کے لیے) تقسیم کا مطالبہ کرے" [1]

"مضاربت جائز معاہدوں میں سے ہے جو فریقین میں سے کسی کے ختم کرنے یا کسی کی موت سے ختم ہو جاتا ہے۔" [2]

چاروں فقہی مکاتب کی جو رائیں سامنے آئی ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے، شرکت اور مضاربت کے معاہدے کی اصولی نوعیت کے پیش نظر، یہی موقف اختیار کرنا مناسب ہو گا کہ کسی فریق کی موت سے اس فریق کے حصہ کی حد تک شرکت یا مضاربت کا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ البتہ کاروبار اور اس کے شرکاء کے مفادات کے تحفظ اور حساب کتاب میں نزاعی صورت حال پیدا ہونے سے بچنے کے لیے مناسب ہو گا کہ حنفی اور شافعی فقہا کی یہ رائے بھی اختیار کر لی جائے کہ اگر حسابات کی صفائی کے لیے اشیاء و اجناس کی فروخت ضروری ہو تو اس کام کی تکمیل کے لیے مزید وقت دیا جائے گا۔ اسی طرح حنبلی فقہاء کے مسلک کو سامنے رکھتے ہوئے اس میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یہ موقف اختیار کرنا مناسب ہو گا کہ اگر دوسرے فریق راضی ہوں

---

[1] ابن قدامہ : المغنی جلد ۵ صفحہ ۱۳۴

[2] ایضاً صفحہ ۱۴۶

تو مرنے والے کے وارث یا ورثا یا ان میں سے کسی ایک فرد کو اس کی جگہ دی جا سکے گی اور شرکت یا مضاربت کا کاروبار حسب سابق جاری رکھا جا سکے گا۔ اگر خود وارث اس کے لیے تیار نہ ہو یا دوسرے فریق آمادہ نہ ہوں تو مرنے والے کے حسابات صاف کر کے اس کے حق میں نکلنے والی رقم اس کے ورثا کے حوالے کر دی جائے گی۔ اس ترمیم شدہ مسلک پر شافعی فقہاء کو یہ اعتراض ہو گا کہ مضاربت کا معاہدہ اشیاء و اجناس کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا ضروری ہے کہ وارث کو اس میں فریق بنانے سے پہلے کاروبار کا سرمایہ نقد کی صورت میں ہو جائے۔ لیکن ہم اس بارے میں حنبلی مسلک کو ترجیح دیں گے کیونکہ وہی کاروبار کے تسلسل کے لیے مفید اور فریقین کے مفاد کے مطابق ہے۔ تجدید معاہدہ کی نوعیت آغاز معاہدہ سے مختلف ہے اس لیے تجدید معاہدہ کے وقت کاروباری سرمایہ کے نقد کی صورت میں ہونے پر اصرار مناسب نہیں۔

تمام فقہی مکاتب کے نزدیک موت کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں ایک فریق کے حصے کی حد تک معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ مثلاً جنون، خفت عقل کی بنیاد پر تصرفات پر قانونی پابندی عائد ہو جانا اور بعض فقہاء کے نزدیک ارتداد۔ جس محدود مقصد کے تحت ہم شرکت اور مضاربت کے شرعی احکام کا مطالعہ کر رہے ہیں اس کے لیے ان تفصیلات پر بحث ضروری نہیں۔ ان کا مطالعہ ان فقہی مآخذ کی مدد سے کیا جا سکتا ہے جن کے حوالے اوپر دیئے گئے ہیں۔

اس سے پہلے ہم یہ تجویز پیش کر چکے ہیں کہ شرکت اور مضاربت کے معاہدوں کو اس شرط کے ساتھ کرنا بھی جائز قرار دیا جائے کہ ایک وقت معینہ سے پہلے کوئی

فریق اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اس رائے کو اختیار کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں کسی فریق کی موت واقع ہونے پر اس کے حصے کی حد تک معاہدہ ختم ہو جائے گا یا نہیں۔ اصول کا تقاضا یہ ہے کہ جب شرکا نے باہمی رضامندی سے ایک متعین مدت کے لیے اسے ایک لازمی معاہدہ قرار دے لیا ہے تو مرنے والے کے حق میں بھی معاہدہ وقت معین تک قائم رہے اور اس کے مرنے پر اس کے وارث اس کی جگہ لے لیں۔ دوسرے الفاظ میں وقت معین تک اسے ایک ایسا معاہدہ قرار دیا جائے جو ورثے میں منتقل ہوتا ہے لیکن مزارعت کے سلسلے میں فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ کسی ایک فریق کی موت سے مزارعت کا معاہدہ ختم ہو جاتا ہے۔ مرنے والے کا وارث خود بخود اس کی جگہ نہیں لے سکتا اس حکم پر قیاس کرتے ہوئے متعین مدت کے لیے کیے جانے والے معاہدۂ مضاربت یا شرکت میں بھی یہی موقف اختیار کرنا چاہیئے۔ البتہ حنبلی فقہاء کی یہ رائے اختیار کی جا سکتی ہے کہ اگر دوسرے فریق راضی ہوں تو مرنے والے کے وارث کو اس کی جگہ دے کر کاروبار جاری رکھا جا سکتا ہے۔ آئندہ مباحث میں ہم یہی رائے اختیار کریں گے۔ یعنی مضاربت اور شرکت کا معاہدہ جب متعین مدتوں کے لیے کیا جائے اور اس مدت کے دوران کوئی فریق انتقال کر جائے، تو اگر دوسرے فریق راضی ہوں تو مرنے والے کے وارث کو اس کی جگہ دے کر کاروبار جاری رکھا جائے گا، ورنہ مرنے والے فریق کی حد تک معاہدہ ختم ہو جائے گا۔

اس رائے کے حق میں ہماری دلیل یہ ہے کہ کسی فریق کو کسی ایسے فریق کے ساتھ شرکت کاروبار پر مجبور کرنا انصاف کے خلاف ہے، جس کی اصل حیثیتوں پر آ ہے

بھروسہ نہ ہو۔ اگر ہم یہ موقف اختیار کرتے کہ مرنے والے کا وارث لازماً اس کی جگہ لے لے گا۔ اور دوسرے فریق اس کے ساتھ شرکت کاروبار پر راضی نہ ہوں تو بھی ان کو وقت متعین تک اس کی شرکت گوارا کرنی پڑے گی تو صریح بے انصافی لازم آتی۔ اس کے برعکس ہم نے جو موقف اختیار کیا ہے اس میں کاروبار کے تسلسل کی رعایت بھی ملحوظ رکھی گئی ہے اور عدل و انصاف کے تقاضے پورا کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

چھٹا باب

صنعتی کاروبار کے لیے

شرکت یا مضاربت کا معاہدہ

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے کوئی شرعی سبب اس میں مانع نہیں ہے کہ چند افراد سرمایہ لگا کر مشترکہ طور پر صنعتی کاروبار کرنا چاہیں یا ایک صاحب سرمایہ کسی فریق کو صنعتی کاروبار کے لیے سرمایہ فراہم کرے۔ اگر قرن اوّل کے نظائر یا ائمہ اربعہ کے فقہی مباحث میں صنعتی کاروبار پر شرکت اور مضاربت کے اصولوں کے اطلاق کا ذکر نہیں ملتا تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس دور میں صنعتی کاروبار کا رواج نہ تھا۔

فقہ اسلامی کا ایک متفقہ اصول یہ ہے کہ اشیاء کی اصل اباحت ہے، جب تک کسی چیز یا کسی طریقے کے عدم جواز پر کوئی شرعی دلیل نہ قائم ہو جائے اسے جائز قرار دینا چاہیے۔ اس اصول کے مطابق بھی شرکت اور مضاربت کی بنیادوں پر صنعتی کاروبار کی تنظیم درست ہے۔ ہمارے علم کی حد تک کوئی شرعی قباحت یا فقہی مانع اس طریقے کے عدم جواز کی دلیل کے طور پر نہیں پیش کیا جا سکتا۔

ہمارے فقہاء نے جس زمانے میں اسلامی فقہ کی تفصیلات مرتب کی تھیں اس میں کاروبار کی جتنی ممکن شکلیں تھیں جن کا کرنا ایک فرد کے لیے انفرادی طور پر جائز قرار پایا تھا، ان میں اشتراک و تعاون کے طریقے بھی جائز قرار دیے

گئے تھے۔ تجارتی کاروبار کے لیے شرکت اور مضاربت، زرعی کاروبار کے لیے مزارعت اور مساقاۃ اور سادہ صنعت و حرفت کے لیے شرکت صنائع (شرکت ابدان) یا شرکتِ عمل اس کی واضح مثالیں ہیں۔ شرکت اور مضاربت میں فقہاء کے نزدیک شرکاء یا کاروباری فریقوں کو مزدور رکھنے، مکان، دوکان، باربرداری کے جانور، کشتیاں اور دیگر سواریاں کرایہ پر لینے وغیرہ کاروباری تصرفات کے اختیارات حاصل ہیں۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر ان کے زمانے میں مشینیں لگا کر کارخانے قائم کرنے اور خام مال خرید کر ان کارخانوں میں مزدوروں اور دوسرے فنی ماہرین کی خدمات کے ذریعے مصنوعات تیار کر کے فروخت کرنے کا رواج ہوتا تو وہ بلا جھجک شرکت اور مضاربت کے اصولوں کا اطلاق اس کاروبار پر بھی کرتے۔

ہمارے اس خیال کی دلیل یہ ہے کہ صنعتی کاروبار بھی اللہ کا فضل تلاش کرنے اور روزی کمانے کے شرعاً پسندیدہ مقاصد کا ایک پاکیزہ ذریعہ ہے۔ انفرادی کسب معاش کے علاوہ صنعتی کاروبار کی تنظیم و ترویج سے سوسائٹی کے بہت سے ضروری مفادات بھی وابستہ ہیں۔ یہ مفادات صرف عام دنیوی مفادات نہیں بلکہ کفالت عامہ، دفاع اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے درکار فوجی قوت بھی صنعتی کاروبار کی تنظیم اور ترویج سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد فقہاء اسلام نے صنعتی کاروبار کو بھی، دوسری ضروری انسانی خدمات کی طرح فرض کفایہ قرار دیا ہے[1] بدیہی بات ہے کہ جن اعمال کی انجام دہی ضروری ہے

---

[1] حاشیہ ص۱۵۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

ان کی انجام دہی میں اشتراک عمل بھی اگر ضروری نہیں تو جائز ضرور ہے۔

دورِ جدید میں صنعتی کاروبار کی تنظیم و ترقی بہت کثیر سرمایہ کی طالب ہے۔ اتنا کثیر سرمایہ کسی ایک فرد کے فراہم کرنے سے شاذ و نادر ہی فراہم ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اصحاب سرمایہ باہمی اشتراک و تعاون کے ذریعے کاروبار کریں۔ ایک غیر سودی معیشت میں مختلف اصحاب سرمایہ کے جمع ہو کر مشترکہ طور پر کاروبار میں لگنے کی ممکن شکلیں شرکت اور مضاربت ہی کی شکلیں ہیں۔ اس لیے ضرورت بھی متقاضی ہے کہ شرکت اور مضاربت کی بنیادوں پر صنعتی کاروبار کرنا جائز ہو۔ شریعت اسلامی ضرورت کی بنیاد پر مکروہات کو جائز قرار دینے کی گنجائش رکھتی ہے۔ زیر غور مسئلہ تو ہر کراہیت سے پاک ہے۔

اگر صنعتی کاروبار کے سلسلہ میں شرکت اور مضاربت کی بنیادوں پر اصحاب سرمایہ کے اشتراک عمل کو جائز نہ قرار دیا جائے تو اس سے عظیم مضرت اور حرج لازم آئے گا۔ جدید معیشت میں اکثر کاروبار صنعتی کاروبار ہیں تجارتی کاروبار کا درجہ ثانوی ہے۔ معیشت کے ایک بہت بڑے دائرے کو سرمایے کی سخت قلت

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ؎ ملاحظہ ہو ابن تیمیہ: الحسبۃ فی الاسلام۔ نووی: منہاج۔ اس کے شارح شہاب الدین احمد الرملی نے بھی اس موضوع پر مفید اضافہ کیا ہے۔ رملی: شرح منہاج جلد ۶ صفحہ ۱۹۴ دار الاحیاء الکتب العربی۔ مصر ۱۳۰۳ھ اور ابن عابدین شامی: رد المحتار علی الدر المختار جلد اول صفحہ ۳۰۲

مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۸ھ

کا سامنا ہوگا۔ صنعتی کاروبار، اور ملک کی صنعتی ترقی ٹھٹھر کر رہ جائے گی۔ اس کا اثر تجارت پر بھی پڑے گا۔ کیونکہ جدید معیشت میں اکثر تجارت خام اموال یا زرعی اجناس کی تجارت نہیں، بلکہ مصنوعات کی تجارت ہے۔ مصنوعات کی پیداوار میں کمی کا تجارت پر گہرا اثر پڑنا ناگزیر ہے۔ ان اصحاب سرمایہ کو جو خود کاروبار نہیں کر سکتے، کاروباری فریق نہ مل سکیں گے، اور ان کاروباری افراد کو جو صنعتی کاروبار کی اچھی صلاحیت رکھتے ہیں مگر سرمایہ نہیں رکھتے، سرمایہ نہ مل سکے گا۔ اس طرح اصحاب سرمایہ کاروباری افراد اور عوام الناس کو بے روزگاری، معاشی سرگرمیوں میں کمی اور مصنوعات کی قلت کے سبب سخت پریشانی کا سامنا ہوگا۔ اس ضرر اور حرج کے ازالہ کے لیے ضروری ہے کہ صنعتی کاروبار کے لیے شرکت اور مضاربت کے طریقے اختیار کرنا جائز ہو۔ ضرر کا ازالہ اور تنگی اور حرج کو دور کرنا شریعت کے مقاصد میں داخل ہے۔ یہ ایسے مصالح ہیں جن کا شریعت وزن تسلیم کرتی ہے۔

یہ گمان صحیح نہ ہوگا کہ ہمارے فقہاء نے شرکت اور مضاربت پر بحث کرتے وقت اگر تجارتی کاروبار کی مثالیں دی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ غیر تجارتی کاروبار پر اشتراک وتعاون کے ان طریقوں کا اطلاق ناجائز سمجھتے تھے۔ خود ان فقہاء کے یہاں ایسی مثالیں بھی مل جاتی ہیں جو سادہ تجارت کی مثالیں نہیں بلکہ پیداآور کاروبار کی مثالیں ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو۔

> مضاربت میں کاروباری فریق کے تصرف کے حدود کی تعیین تاجروں کا عام طریق کار کرے گا امام محمد نے لکھا ہے کہ کاروباری فریق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کوئی زمین کرایہ پر حاصل کرے اور سرمایہ مضاربت میں سے گیہوں خریدے

اور اس زمین پہ کھیتی کرے۔ اس طرح اسے اس کا بھی اختیار ہے کہ اس زمین میں کھجور یا کسی اور چیز کے درخت لگائے۔ یہ سارے کام جائز ہیں اور دونوں کے درمیان ایسے کاروبار کا نفع بھی طے شدہ شرائط کے مطابق تقسیم پائے گا۔ کیونکہ یہ بھی نفع کمانے کے طریقے ہیں۔ اسی طرح یہ وہ طریقے ہیں جو اہل تجارت کے ہاں رائج ہیں۔ اس لیے کاروباری فریق ان کو اختیار کر سکتا ہے [۱]

امام محمد کی مثال سے زیادہ معنیٰ خیز ان کا وہ استدلال ہے جو مذکورہ بالا عبارت سے سامنے آتا ہے۔ اصل مقصد نفع کمانا ہے اور اس کے لیے کاروباری فریق وہ طریقے اختیار کر سکتے ہیں جو اہل تجارت عام طور پہ اختیار کرتے ہوں۔ ان طریقوں کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ معاہدے کے وقت صاحب سرمایہ بھی ان پہ راضی تھا۔ امام کی دی ہوئی یہ مثال پڑھ کر کون شبہ کر سکتا ہے کہ اگر ان کے زمانہ (دوسری صدی ہجری، آٹھویں صدی عیسوی) میں صنعتی کارخانوں کا رواج ہوتا تو وہ اس کی مثال بھی نہ دیتے۔ ایسی مثالیں تو فقہ کی کتابوں میں بہت عام ہیں کہ مضاربت پہ کاروبار کرنے والے ایک تاجر نے کپڑے خریدے، اسے اجرت دے کر رنگوایا اور پھر اس کو فروخت کر کے نفع کمایا [۲]

مذکورہ بالا مثال ہو، یا یہ مثال، دونوں خالص تجارت، یعنی اشیا رو اجناس

---

[۱] کاسانی: بدائع الصنائع۔ جلد ۶ ص۸۸

[۲] سرخسی: المبسوط۔ جلد ۲۲ ص۴۵ اور ص۱۸۰

خرید کر ان کو فروخت کرنے سے آگے بڑھ کر پیداواری عمل کی مثالیں ہیں مضاربت شرکت سے کم درجے کا معاہدہ ہے۔ جو بات کاروباری فریق کے لیے روا ہے وہ شرکت میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہو گی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دوسرے تمام معاملات کی طرح شرکت اور مضاربت کے سلسلے میں بھی جو وسعت حنفی اور حنبلی مکاتب فقہ میں ملتی ہے وہ مالکی اور شافعی مکاتب فقہ میں نہیں ملتی۔ جس کا بنیادی سبب ان مکاتب فقہ کے بعض اصول ہیں۔ یہاں ان اصولوں پہ بحث ممکن نہیں۔ لیکن امام مالکؒ کی ایک عبارت کا ذکر ضروری ہے جو اس رائے کی بالکل ضد ہے جو امام محمدؒ کے حوالے سے اوپر نقل کی گئی ہے۔ موطا میں آیا ہے کہ

"ایک شخص نے دوسرے شخص کو کچھ سرمایہ مضاربت کے طور پہ دیا اور اس سے یہ شرط طے کر لی کہ وہ اس سے اس کے علاوہ کوئی کاروبار نہ کرے گا کہ کھجور کے درخت خریدے یا جانور خریدے تاکہ درختوں سے کھجور اور جانوروں سے ان کی نسل حاصل کر سکے اور خود درختوں اور جانوروں کو نہ فروخت کرے اس کے بارے میں امام مالک نے کہا ہے کہ یہ جائز نہیں، اور یہ مضاربت کے بارے میں مسلمانوں کا طریقہ نہیں رہا ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ ان (درختوں یا جانوروں) کو خریدے اور فروخت کرے جس طرح دوسری اشیاء تجارت فروخت کی جاتی ہیں"۔ [۱]

---

[۱] امام مالک: موطا: باب مالا یجوز من الشرط فی القراض

امام مالک کے نزدیک مضاربت صرف تجارت کے لیے کی جا سکتی ہے نیسل کشتی یا باغ خرید کر اس کا پھل فروخت کرنا تجارت نہیں بلکہ پیداواری عمل ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ان کے زمانے تک مسلمانوں کے درمیان مضاربت کا معاہدہ تجارت کے لیے کیا جاتا تھا۔ ان دوسرے کاموں کے لیے نہیں کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر ایک دوسری بحث کے ضمن میں لکھ چکے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ کوئی وزنی دلیل نہیں۔ پہلی صدی ہجری میں مدینے کے باشندوں کا تعامل کسی طریقے کے جواز میں تسلیم ہے۔ لیکن کسی طریقے کا ان کے درمیان نہ رائج ہونا اس کے عدم جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کسی طریقے کے جائز نہ ہونے کے لیے اس بات کی نشان دہی ضروری ہے کہ وہ کس حکم کے خلاف یا کن اصولوں کے منافی ہے یا اس سے کون سی شرعاً معتبر مصلحتیں پامال ہوتی اور مضرتیں پیدا ہوتی ہیں۔

دورِ جدید میں زرعی کاروبار بھی ایک صنعت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ زرعی کاروبار میں زمین کے مالک اور کاشتکار کے درمیان اشتراک و تعاون کے لیے مزارعت اور مساقات کی صورتیں وہ صورتیں ہیں جن کے اصول و قوانین پر وسیع فقہی لٹریچر موجود ہے۔ اگر کوئی صاحب سرمایہ دوسرے صاحب سرمایہ کی شرکت میں یا کسی کاروباری فریق کے تعاون سے زرعی کاروبار کرنا چاہتا ہے۔ دریں حالیکہ فریقین میں سے کوئی زرعی زمین کے ساتھ نہیں شریک ہوتا، تو اس کے لیے مضاربت اور شرکت کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس کے جواز کی سند فقہ حنفی میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ جیسا کہ امام محمد کی مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے مزید سند وہ اصولی بحث فراہم کرتی ہے جو صنعتی کاروبار کے سلسلے میں ہم نے اوپر کی

ہے۔ بڑے پیمانے پر زرعی کاروبار کے لیے بھی اتنے بڑے پیمانے پر سرمایہ لگانا ضروری ہے۔ جس کی فراہمی اب انفرادی طور پر مشکل ہی عمل میں آسکتی ہے۔ سرمایہ کی مدد سے زمین، کاشتکاری کے آلات، کاشتکاری کرنے والے مزدور، تمام ضروری عوامل فراہم کیے جا سکتے ہیں اور کاروبار عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کاروبار کی مخصوص نوعیت کے پیش نظر مدت کار کے ضمن میں بعض مخصوص ضوابط وضع کرنے ضروری ہوں گے۔ مثلاً یہ کہ کاروبار کا آغاز کرنے کے بعد اس کی تکمیل سے پہلے شرکار کا اس سے علیحدہ ہونے کا حق چند مخصوص شرائط کا پابند ہوگا۔ یا متعین مدتوں کے لیے معاہدے کیے جا سکیں گے، وغیرہ۔ ان ضوابط کی ترتیب میں مزارعت ومساقات کے شرعی اصولوں سے بھی رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

یہ بات کہ محققین فقہاء مزارعت کو مضاربت ہی کی طرح کاروباری فریق اور اصحاب وسائل ــــ سرمایہ دار یا زمیندار ــــ کے درمیان اشتراکِ عمل کا ایک طریقہ سمجھتے تھے اور دونوں کے تفصیلی احکام کی ترتیب میں ایک ہی طرح کے مصالح کا لحاظ کرتے تھے۔ سنن نسائی کی حسب ذیل روایت سے بھی واضح ہے۔

> "امام محمد کہا کرتے تھے کہ میرے نزدیک زمین مضاربت کے سرمایہ کی طرح ہے مضاربت کی صورت میں سرمایہ کے ساتھ جن شرائط کا وابستہ کرنا مناسب ہے وہی مزارعت میں زمین کے ساتھ وابستہ کرنا مناسب ہے اور جو باتیں مضاربت میں سرمایہ کے لیے نامناسب ہیں وہی باتیں مزارعت میں زمین کے لیے نامناسب ہیں ...." [1]

---

[1] نسائی۔ سنن۔ کتاب الشروط والوثائق۔ باب ذکر الالفاظ المأثورۃ فی المزارعۃ

کوئی وجہ نہیں کہ اشتراکِ عمل کا جو اصول تجارت، زراعت اور سادہ صنعت و حرفت کے لیے موزوں قرار پایا ہے وہ بڑے پیمانے پر صنعتی کاروبار کے لیے غیر موزوں ہو۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شرکت اور مضاربت کے طریقے ہر طرح کے کاروبار کے لیے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ تجارتی، صنعتی اور زرعی کاروبار، ہر ایک میں مضاربت کے اصول پر سرمایہ لگایا جا سکتا ہے اور ہر ایک کو چند اصحاب سرمایہ مشترکہ طور پر کر سکتے ہیں۔ آئندہ غیر سودی نظام بنک کاری پر بحث کرتے وقت ہم اس موقف کو اپنی بحث کی بنیاد بنائیں گے۔

حرفِ آخر !

جیسا کہ ابتدا میں واضح کیا جا چکا ہے، شرکت اور مضاربت کے شرعی اصولوں کا یہ مطالعہ غیر سودی نظام بنک کاری کی بنیادیں فراہم کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ لیکن یہی اصول عام صنعتی، تجارتی اور زرعی کاروبار میں اشتراک و تعاون کی بنیاد بھی بن سکتے ہیں۔ دورِ جدید میں مشترکہ کاروباری کمپنیوں کا رواج عام ہے۔ یہ کمپنیاں حصے فروخت کر کے سرمایہ کی کثیر مقداریں جمع کرتی ہیں۔ چونکہ ایک حصہ کا دام ایک چھوٹی سی رقم ہوتی ہے اس لیے عام بچت کاروں کے لیے بھی کاروبار میں حصہ دار بننا ممکن ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں جن اصولوں کا مطالعہ کیا گیا ہے ان کی روشنی میں اس طریقۂ کار کا جائزہ لے کر حصص کے اجرا سے متعلق ضوابط اور نفع کی تقسیم کے طریقہ میں ضروری ترمیمات کے بعد اسے شریعت کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح انشورنس کی اسلامی تنظیم نو کے مسئلہ میں بھی شرکت اور مضاربت کے اصولوں سے مدد مل سکتی ہے یہ موضوعات علیحدہ سے تفصیلی بحث و مطالعہ چاہتے ہیں جس کی طرف اہل علم کو توجہ کرنا چاہیے۔

بینکنگ، انشورنس، تجارتی کمپنیوں اور مجموعی طور پر پوری معیشت کی

اسلامی تنظیم تو ایک ایسے اسلامی معاشرہ میں ہی ممکن ہے جو غیر اللہ کی حکمرانی سے آزاد ہو اور قرآن و سنت کو آخری فیصلہ کن اتھارٹی کا مقام دیتا ہو۔ لیکن عملی زندگی میں شرکت اور مضاربت کے اصولوں سے فائدہ اٹھانا ان مسلمان گروہوں کے لیے بھی ممکن ہے جو غیر الٰہی نظام حکمرانی کے ماتحت ہوں مگر اپنی زندگی حتی المقدور شرعی احکام کے مطابق گذارنے کا عزم رکھتے ہوں۔ ان کے لیے بھی سود سے کامل اجتناب کرتے ہوئے زرعی، صنعتی اور تجارتی کاروبار کو شرعی اصولوں کے مطابق منظم کرنا اور بچت کاروں سے سرمایہ جمع کر کے اسے نفع آور کاروبار میں لگانے کا اہتمام کرنا ممکن ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ کتاب مذکورہ بالا دونوں حالتوں میں مددگار ثابت ہو۔
